

معیار الخیالات

جس کے دو حصّے ہیں

حصّہ اوّل

روحانی زندگی

حصّہ دوم

جسمانی زندگی

جس کو جناب ڈاکٹر راما نند صاحب لکچرار حفظ صحّت پنجاب و
پروپرائیٹر و سپرنٹنڈنٹ رائل مڈیکل ہال ہیڈ آفس جگادھری ضلع
انبالہ نے رفاہ عام کیلئے تصنیف کرکے معزز پبلک میں تقسیم کیا

سنہ ۱۹۱۰ء میں کارخانہ بلالی سٹیم پریس ساڈھورہ میں منشی کرم بخش پرنٹر نے چھاپا

فہرست مضامین معیار خیالات

حصہ اول روحانی زندگی
جس میں ۱۴ فصلیں ہیں

حصہ دوم جسمانی زندگی
جس میں ۱۲ فصلیں ہیں

وجہ تصنیف

میں عرصہ دراز سے جناب ڈاکٹر رامانند صاحب لکچرار حفظ صحت پنجاب کا نیک نام جگادھری ضلع انبالہ میں سنتا تھا۔ اِس وجہ سے اِس خیال کو لے کر ڈاکٹر صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور خاص موقع پاکر نہایت ادب سے عرض کی کہ موجودہ دنیاوی زندگی کی بابت کمترین کے خیالات عجب کشمکش میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور زیر بحث ہیں۔ اِس کے جواب میں جو کچھ جناب نے فرمایا اُس کا خلاصہ پیش ناظرین ہے۔

کتاب ہذا

کی نسبت بڑے بڑے لایق اور عالم آدمیوں کی سوسائٹی نے اِس امر کی تصدیق فرمائی ہے۔ کہ کتاب ہذا کا روزمرّہ تھوڑے سے وقت مطالعہ کرنا اُس اندھیرے کو دور کرتا ہوا جو کہ بوجہ ناواقفیت رہتا ہے ایک نہایت اعلےٰ روشنضمیری کا کام دیکر چند یوم میں اِنسان کو قابل اور روشنضمیر اِنسان بنا دینے کے علاوہ اُسکی زندگی میں نہایت لونزتا اور پاکی دیتا ہوا اپنے بھائیوں سے روزمرّہ کے بہت سے فضول اور بیہودہ جھگڑے کرنے سے مجتنب ہو جاتا ہے۔

اِس لئے

نہایت ادب سے آپ کی خدمت میں گذارش ہے کہ کتاب ہذا کا اوّل سے آخر تک

کا مُطالعہ ایک ... دِ نئے خیالات کے انسان کو کِس قدر نفع و نقصان بخش ہے یا کہ نہیں۔ جو کہ مُصنّف کی اصلی تحریک اور یہی اُس کی داد ہے ؛

خاکسار مُصنّف

مقالہ اوّل

جس میں چودہ فصلیں ہیں

فصل اوّل

سیرِ روحانی

جب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ ایک معمولی اِنسان کے کم از کم کِس قِسم کے خیالات ہونے چاہئیں تو فرمانے لگے کہ ایک دِن ایک ایسے اِنسان کے اندر جس کو کہ کچھ شوق مہاتماؤں کی سنگت کرنے کا تھا۔ یہ خیال پیدا ہُوا کہ مَیں کون ہُوں۔ کہاں سے آیا ہُوں۔ کِس نے مجکو پیدا کیا ہے۔ کیوں پیدا کیا ہے۔ اور پیدا کُنندہ سے میرا کیا تعلّق ہے۔ اور اُس تک پہُونچنے کا کَون سا راستہ ہے۔ چونکہ اِس شخص کی روح بہت پاک تھی اور یہ شخص بہایت شوق سے عبادت کیا کرتا تھا

لہٰذا

ایک دِن اِس شایق نے تمام کاروبار سے گھبرا ہو کر اور ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر یہ سوال

ایشور کی خدمت میں پیش کیا کہ

(اے خداوند کریم تم ہمکو اپنے یہاں آنے کا راستہ دکھلاؤ)

جونہیں آنکھیں بند کیں معلوم ہوا کہ میں ایک نہایت تیزی کے ساتھ پھینکا جا رہا ہوں۔ نہ معلوم کس نے مجکو پھینکا ہے۔ اور کہاں سے پھینکا گیا ہوں۔ کیوں پھینکا گیا ہوں۔ جب بہت عرصہ تک یہی حالت رہی بعد میں معلوم ہوا کہ میں ایک ایسی جگہ پڑا ہوا ہوں کہ جو جگہ نہایت ٹھوس ہے۔ ہلنا چاہتا ہوں لیکن سفر کی وجہ سے ضعف اس قدر طاری ہو رہا ہے کہ ہلا تک نہیں جاتا۔ تھوڑی دیر میں ضعف کم ہوا اور ہلنے جُلنے کی طاقت پیدا ہوئی۔ ہاتھ پھیلا کر دیکھا کہ جس جگہ پتھر کی طرح پڑا ہوا ہوں وہ جگہ نہایت ٹھوس ہے۔ اور چاروں طرف نہایت تاریکی یعنی اندھیرا ہے۔ آنکھ کھولتا ہوں لیکن سوائے نہایت گہرے اندھیرے کے کچھ نظر نہیں آتا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں کون ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں۔ کس نے مجھکو پھینکا تھا۔ کہاں کو اور کیوں پھینکا گیا ہوں۔ لیکن افسوس اُن تمام سوالات میں سے کسی سوال کے جز کا جواب بھی نہیں ملتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اندھیرا کچھ کچھ روشنی میں تبدیل ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ جگہ جہاں میں پڑا ہوں نہایت لق و دق میدان ہے۔ نہ اُس جگہ سوائے میدان کے کچھ چیز ہے۔ میں حیرت زدہ تھا کہ اے خداوند یہ کیا بھید ہے کہ تھوڑی دیر میں وہ اندھیرا بالکل دور ہو گیا۔ اور روشنی یہانتک بڑھی کہ اس میدان میں اس قدر روشنی دکھلائی دیتی تھی کہ جیسے سینکڑوں کوس کی چیز اپنے پاس پڑی ہوئی دکھلائی دیتی ہے۔ میں اُٹھ بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہوں۔ لیکن اُٹھا نہیں جاتا۔ تھوڑی دیر میں وہ میدان ہلنا شروع ہوا۔ اور اُس میدان میں سے لاکھوں قسم کی چیزیں نکلنی شروع

ہوئیں - ہر قسم کی چیز مثلاً جڑی - بوٹی - چرند - پرند - درخت - نباتات - حیوانات وغیرہ - اور دیگر
قسم کی چیزیں نکل رہی ہیں - اور نہایت قرینے سے مناسب جگہ چُنی جا رہی ہیں - کسی جگہ نہایت
بڑے بڑے پہاڑ آسمانوں سے باتیں کر رہے ہیں - کہیں کہیں بڑے بڑے بحرِ اعظم سمندر موجیں
مار رہے ہیں - اِس تمام اسباب میں ایک قسم اِنسان بھی موجود ہے - لاکھوں آدمی جوان - بچّے
بُوڑھے مرد عورت نہایت خُوش و خُرّم ہر چہار طرف پھرتے نظر آ رہے ہیں - جس کو دیکھو
نہایت خُوش ہے - کہیں کہیں ایسی مشہور رنڈیوں کا گانا ہو رہا ہے - کہ بہشت کی حُور کو بھی
اُن کے مقابلہ میں شرم ہے - کہیں کہیں رُستم جیسے پہلوان شیروں کی طرح اپنے زور میں
اکڑ رہے ہیں - کس کی مجال ہے جو اُن کے سامنے آ دے - کہیں کہیں دولت کے اوپر غرور کا
جھنڈا بڑی آب و تاب سے پھرک رہا ہے - اور ظاہر کر رہا ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے ایسے
ہی رہیں گے - کہیں کہیں حسین آدمی تمام دِن اپنے بناؤ سنگار میں مشغُول رہتے ہیں - کہ دُنیا میں ہم
بھی کچھ چیز ہیں - کہیں پر حاملہ عورت اپنے حمل کی طرف دیکھکر اپنے دِل میں خیال کر رہی ہے کہ
میرا بچہ پیدا ہو کر مجُھے خوش کر کے پھر جوان ہو کر خُوب طرح طرح کے آرام دیگا - کہیں پر عالم
لوگ تمام دن اِسی بحث میں غلطاں و پیچاں ہیں کہ ہم جو چاہیں سو کر دکھائیں - کہیں پر نہایت ہی
خُوشی سے شادیاں رچی جا رہی ہیں - کہیں پر وزیر اور بادشاہ کسی مُلک کو تباہ کر کے اُس کے
فتح کرنے کے بارہ میں مشورہ کر رہے ہیں - وغیرہ وغیرہ - غرضیکہ ہر ایک آدمی خُوش و خُرّم
نظر آتا ہے - اُن میں سے کوئی ہماری طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں - کہ یہ جو آسن جمائے کچھ
جپ رہے ہیں - ہمارے والد ہیں - ایک کہتا ہے ہمارے بھائی ہیں - ایک عورت کہتی ہے
ہمارے خاوند ہیں - ایک کہتے ہیں کہ اِن سے ہماری دید شُنید ہے - غرضیکہ جو وہاں موجُود
ہے - ہم سے اپنا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور جتلاتا ہے - اگرچہ ہم سوچتے ہیں کہ اے پرماتما اتنی دیر میں یہ

کیا ہُوا۔ یہ کون لوگ ہیں۔ کِس طرح ہم سے سب کے سب اپنا رشتہ تبلا رہے ہیں۔ اور درا صل یہ کیا مُعاملہ ہے۔

اگرچہ ہم اُن کی طرف دیکھکر اِس مُعاملہ کو غور سے سوچ رہے ہیں لیکن ہمارا اصلی خیال اُسی سوال میں آویزاں ہے کہ جس کو لیکر ہم آسن پر بیٹھے تھے۔ کہ

اے خداوند کریم تُم ہمکو اپنے یہاں آنے کا راستہ دکھلاؤ

اتنے میں اُن سب اِنسانوں میں کچھ آثار غمی نمایاں ہوئے جس کو دیکھو غم زدہ ہو رہا ہے۔ کہیں پر ایسی آگ لگی کہ جو کچھ سامان تھا جلکر خاکستر ہوگیا۔ کہیں پر دریا ٹوٹ پڑا۔ جتنے آگے آئے سب بہ گئے۔ کہیں پر ایسا زلزلہ آیا کہ لاکھوں مکان آناً فاناً میں گر پڑے اور اُن کے نیچے لاکھوں آدمی وغیرہ دب کر مر گئے کہیں ہیضہ بڑے زور شور سے ہو رہا ہے۔ ہزارہا آدمی تڑپ رہے ہیں۔ کہیں پر پلیگ کا سیاہ جھنڈا بڑی شان وشوکت سے لہرا رہا ہے لاکھوں جانوں کی صفائی کردی۔ چاروں طرف رونا پیٹنا ہو رہا ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ کچھ آدمی ایک جنازہ اُٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔ اور ہماری طرف اشارہ کر کے کہہ رہے ہیں کہ یہ اُن کے والد تھے جو گذر گئے۔ دوسرے اسی طرح آئے وہ کہہ رہے ہیں کہ آج اُن کے بھائی انتقال کر گئے۔ یہ ہوتے ہوتے دیکھا کہ اُس جنگل میں لاکھوں چتائیں جل رہی ہیں اور قریب قریب وہ سب تمام لوگ چتاؤں میں رکھ دیئے گئے باقی ماندہ خود تڑپ تڑپ کر مر گئے اُن تمام چتاؤں کا دھواں یہانتک پھیلا کہ تمام میدان میں دھواں دھار ہوگیا۔ اور وہ دھواں گُنبد کے مُوافق سیدھا آسمان کو گیا۔ اُس میں سے نہایت تیز آواز سے ایک گولہ پھٹا جو کہ اس سے بھی بلندی پر پُہنچا اُس کے اندر سے ایک اور گولہ پھٹا جو کہ اُس سے بھی

نہایت زور سے پہنچایا گیا۔ جب وہ گولہ آسمان میں اُس کی حد تک پہنچ گیا۔ چاروں طرف دن میں ایک ذرے
کے مُوافق آسنے لگا۔ تو وہاں جا کر وہ گولہ نہایت ہی تیز آواز سے پھٹا اور اُس میں سے
ایک نہایت تیز چیز بجلی کے مُوافق چمکتی ہوئی دکھلائی دی اور اُس میں سے ایک نہایت
باریک آواز آئی۔ کہ

(دیکھا تُم نے ہمارے یہاں آنے کا راستہ)

فصل دُوم

خُدا

پہلا سوال جو کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خُدا کیا ہے۔ اور فطرت اُس حیرت انگیز
مُطابقت کی طرف اشارہ کر کے جو نشو نما کے دانشمندانہ انتظام میں پائی جاتی ہے۔ دلیرانہ اور
بلا تامّل اِس کا جواب دیتی ہے۔ یہ مطابقت ایک وحدہٗ لاشریک اور انتظام نشو نما ایک
اَن دیکھے منتظم کا پتہ دیتا ہے۔ اِس سے زیادہ اور کوئی منطقی نتیجہ نہیں نکِل سکتا۔ ریاضی کی رُو سے
ذاتِ باری کا کوئی ثبوت مِلنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اِس کا مدار حواسوں کی شہادت پر ہے
جو کہ نہ فطرت پیدا کر سکتی ہے۔ اور نہ کوئی مقامی الہام۔ البتہ مشاہدے سے اِس بات کا
پتہ لگ سکتا ہے۔ اور جیسے کہ ہم اُس ثبوت سے اِنکار نہیں کر سکتے کہ جس کا مدار حواسوں
کی شہادت پر ہے ویسے ہی اُس ثبوت سے بھی اِنکار نہیں کر سکتے جو مشاہدے اور
استنباط پر مبنی ہو۔

ہمیں اُس صانع کی تلاش ہے۔ لیکن اُس کا پتہ نہیں ملتا۔ دوربین اُس ستارے کو ہمارے قریب لے آتی ہے جس کو ہم تک پہنچنے میں لاکھوں برس لگتے ہیں۔ لیکن اُس صانع کو دریافت نہیں کر سکتی۔ خوردبین ہمیں اِس قابل کر دیتی ہے کہ ہم پتھروں میں حیوانی زندگی معلوم کر لیتے ہیں۔ لیکن اُس کے دکھلانے میں یہ بھی معذور ہے۔ علم کیمیا آکسیجن ہائیڈروجن اور کاربن کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر سکتا ہے لیکن اُن کے بنانے والے کو اُن کے کاموں سے جدا نہیں کر سکتا۔ ایسا کیوں ہے یا فی الحقیقت ایسا ہی ہے۔ علم تشریح کا ماہر چھری ہاتھوں میں لیکر انسان کے جسم کو چیرتا ہے۔ ہڈیاں خون دماغ وغیرہ تو دیکھتا ہے۔ لیکن رُوح نہیں دیکھ پڑتی۔ تو کیا ہم میں روح نہیں ہے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ اس کا جواب خود دے اور پھر بتلائے کہ اُس کے رُوبرُو جو مخلوقات ہے اُس میں کوئی خدا ہے یا نہیں ؞

فصل سوم

فعل خدائی

عموماً طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ دُنیا میں یا دُنیا کے باہر (اگر کوئی جگہ ہوگی) جو کچھ ہو چکا اور ہو رہا اور ہوگا وہ سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور چونکہ خدا کے فعل کو ہمیشہ نیک اور درست مانا جاتا ہے۔ اِس لئے اُس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو کچھ ہو چکا اور ہو رہا اور ہوگا وہ بالکل نیک اور ٹھیک ہے۔

اِس میں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ افعال نقصان دہ (جن کو انسان افعال بد کے نام سے موسوم کرتا ہے) بھی خدا کے حکم سے ہوتے ہیں۔ اگر خدا کے حکم سے ہوتے ہیں تو پھر سزا یا جزا کا کوئی ذمہ وار نہیں ہے۔ اگر جواب دیا جاوے کہ سزا اور جزا بھی خدا کے حکم

سے ہوتی ہے۔ تو عالمانہ اور منصفانہ اصول کے مُطابق ایسا ہونا بالکل بعید ہے۔ کہ خداوندکریم اپنی تحریک اور اپنے ارادے سے پیشتر حیوانات سے خود طرح طرح کے افعال بدکراکر پھر اپنے قاعدے کے مُطابق خود ہی اُن کو سزائیں دے۔

ساتھ ہی اِس کے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اگر تمام دنیاوی و منتظمانہ افعال کا مُحرک خداوند نہیں ہے تو کون ہے۔ اور اگر اِس کے جواب میں یہ بیان کیا جاوے کہ انسان خود مختار ہے۔ لیکن چونکہ اِس کی مرضی کے مُطابق اِس کی خواہش کا پورا ہونا صاف طور پر اِس کے حد اختیار سے باہر نظر آتا ہے۔ اِس لئے بالضرور ماننا پڑے گا کہ اِنسان خود مختار نہیں ہے۔ اگر یہ جواب دیا جاوے کہ کوئی دیگر طاقت ہے جو کہ فعل مختاری کی قابلیت رکھتی ہے۔ اور اُس کا نام نیچر۔ قدرت وغیرہ کے نام سے موسوم کیا جاوے تو وہ سب خداوندکریم اور اُسکی طاقت کے نام ہیں۔ جو کہ اپنی اپنی زبان میں بولے جاتے ہیں۔

بیشک اگر خدا کامل منتظم نہ ہوتا اور ہر وقت مُوجودہ یا آنے والے اُمورات کے انتظام کو مدنظر نہ رکھتا۔ اور ابتدائے آفرینش سے ہر ایک چیز کو اُس کی ضُروری جگہ مُہیّا نہ کرتا اور غیر ضروری چیز یا فعل کی بیخ کنی یا اوس کا عدم نہ کرتا تو دُنیا میں بدانتظامی ہونے کے علاوہ دُنیا کا وُجود ہی نہ ہوتا۔ قتل۔ غارت گری۔ آتشزدگی۔ تغیانی۔ وبا۔ موت۔ زحمت۔ تکلیف مُصیبت وغیرہ جنکو انسان اپنے لئے غیر ضُروری اور نُقصان دہ خیال کرتا ہے۔ شاید اِسی کے خیال میں غیر ضُروری ہوں جس طرح بادی النظر میں چمگادڑ کی آنکھ سورج اور اُسکی روشنی کو غیر ضروری اور نقصان دہ خیال کرتی ہے۔ برتن پکانے والا کمہار بوجہ بھیگ جانے آوے[1] کے بارش کو غیر ضرورت اور نقصان دہ

[1] - آوا اوس جگھہ کا نام ہے کہ جہاں پر کمہار لوگ برتن چن کر آگ کے انبار میں برتن پکاتے ہیں ؛

خیال کرتا ہے۔ کم فہم بیمار اپنے دُنبل میں نشتر لگتے وقت اُس کی تکلیف کو نقصان دہ خیال کرتا ہے۔ بے سمجھ شاگرد اُستاد کی گالیوں جھڑکیوں مار پیٹ کو اپنے لئے نُقصان دہ خیال کرتا ہے۔ اسی طرح جب کسی باغ کا عاقِل مالی کسی رَوِش کے صاف کرتے وقت سب قسم کی گھاس خشک یا سبز پودے۔ جڑی۔ بُوٹی جڑ سے اُکھاڑ کر اوس رَوِش کو صاف کر کے دوسری چیز لگانے کی تجویز کرتا ہے۔ اور اوس کی سمجھ میں وہ تجویز بالکُل ٹھیک ہے خواہ اُن جڑی بُوٹی اور پودوں کے حق میں نُقصان دہ ہی کیوں نہ ہو۔ تو اسی طرح خداوند کریم پرماتما سرب شکتیمان سرب دیاپک الیشور نے اپنے حُکم اور ارادے سے جو کچھ کیا ہے اور کر رہا ہے اور کرے گا وہ اُس کی رائے میں بالکُل ٹھیک اور نیک ہے۔ خواہ کسی شخص کی رائے میں اُس کا کوئی فِعل نُقصان دہ یا غیر ضروری یا ناقِص ہی کیوں نہ سمجھا جاوے۔ لیکن اُس لا اِنتہا طاقت کے ارادے اور رائے کے مقابلہ میں ایک عاقل سے عاقل شخص کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے۔ خواہ اُس اِنسان کو اپنی کسی مشق سے کتنے ہی کراماتی مدارج تک حاصِل کیوں نہ ہو گئے ہوں اور اِنسانوں کی جماعت میں وہ کتنا ہی واجب التعظیم کیوں نہ ہو +

فصل چہارم

عبادت

صِرف اِس وجہ سے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے خُدا کی عبادت کرنا لازمی امر سمجھا جاوے کہ وہ طاقت واجب التعظیم ہے۔ دوسری کوئی وجہ نہیں ہے۔ اَور جیسے کہ ہم روزمرّہ دیگر جگہ کو واجب التعظیم سمجھ کر اُس کی تعظیم کرنا فرضِ منصبی خیال کرتے ہیں۔ اِسی طرح اُس لا انتہا طاقت کی تعظیم بھی نہایت واجب ہے۔ اور ایسی تعظیم کو پُورا کرنے کے لئے مُختلف مذاہب

نے ریفارمروں نے مختلف طریق سے مختلف احکام جاری کئے ہیں۔ بلکہ اُن احکام کی نافرمانی کرنے والے کو اپنے اصول مذہب کے مطابق سزائیں مقرر کی ہیں۔ لیکن

اِس میں

بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ عموماً طور پر طریقہ عبادت کیا ہونا چاہیئے۔ کہ جس میں کسی تردید ترمیم کی گنجائش نہ ہو۔ پس اس سے زیادہ طریقۂ عبادت کیا ہوگا کہ دِل میں اِنسان اِس امر کا خیال رکھے کہ اِس کائنات کی محرّک کوئی طاقت ہے جس کو ہم اپنی زبان میں ایشور خدا۔ گاڈ۔ قدرت نیچر وغیرہ ناموں سے موسُوم کرتے ہیں۔ اور وہ بالضرور ایسا کام کررہی ہے۔ کہ جیسے حمل کے اندر بچّہ کی پرورش ہوتی ہے۔ مگر بچہ کو مطلق معلُوم نہیں کہ میری پرورش کن ذرائع سے ہورہی ہے۔ اگرچہ سب چیزوں کی نشو نما کا دارومدار اسباب کے قدرتی افعال پر ہے۔ لیکن اسباب میں ایک خاصیّت پیدا کرنا بالضرور کسی طاقت کا کام ہے۔ اگرچہ یہ بھی مانا جاسکتا ہے کہ اسباب میں طاقت اِسی طرح مَوجُود ہے اور اِس کی ابتدائی حالت کوئی نہیں ہے بیشک اِس کا جواب غیرضروری ہوگا۔ اور اِس کی تردید مشکل ہوگی۔ کیونکہ کسی علم کا یہ منشا نہیں ہے کہ اسباب میں فلاں وقت سے اور فلاں طریقہ سے فلاں طاقت نے ایک طاقت پید کی ہے۔ سوائے مذہبی دلائل کے (جن کی تعلیم تحکمانہ ہے! در جن کا سلسلہ اپیل منقطع ہے) اور کوئی مُدلّل ثبوت اس امر کا نہیں ہے کہ کوئی شخص خُدا کی طاقت کو سوائے قیاس کرنے کے منطق یا ریاضی سے پختہ طور پر سمجھا سکے۔ پس اگر انسان کو عبادت کا شوق ہو تو اُس کو مناسب ہے کہ وہ صبح و شام قریب آدھ گھنٹہ ایسی جگہ میں بیٹھ کر کہ جو جگہ شوروغل و زیادہ اسباب سے محفوظ ہو اپنی طبیعت کو دیگر دُنیادی کاروبار اور تعلقات سے مبّرا کرکے بیشتر بہت دنوں تک

اپنے باطنی مکان کو اِن باتوں سے صاف کرے کہ جو باتیں وہ اپنے لئے نقصان دہ خیال کرتا ہے۔ کیونکہ روحانی عالمان کے نزدیک جیسے کہ ایک لطیف مزاج آدمی اُس مکان کو کہ جس میں اُس کو قیام کرنا ہے اُس کی میل کچیل اور ہر قسم کی بدبُو اور کوڑے کرکٹ کو صاف کرا کر اُس کی مرمت کرانی بھی ضروری سمجھتا ہے۔ اِسی طرح جب اِنسان کے باطنی مکان میں نیکی کے وجود کا قیام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ تو اُس باطنی مکان کو ہر ایسے افعال قبیحہ سے کہ جن کی مشق سے اِنسان کی روحانی و جسمانی زندگی کو بہت صدمہ پہنچتا ہے۔ پیشتر اِس امر کی کوشش کرے۔ یعنے اوّل میں بیٹھتے ہی خیال کرے کہ میں ایسے کسی فعل کے کرنے پر مجبور ہو رہا ہوں کہ جو میری کانشنس کے مُطابق مجھے کبھی نہ کبھی نقصان پہنچا دے گا۔ میں نے آج کونسا ایسا کام کیا ہے۔ یا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ جو میری کانشنس کے مُطابق مجھے کرنا واجب نہیں ہے۔ اگرچہ میری ضُروریات مجھے اس کے کرنے پر مجبُور کر رہی ہیں تاہم میں جانتا ہوں کہ اگر کسی ضُروریات پر میں قادر آجاؤں تو میں اپنی کانشنس کے حُکم کے مُطابق عمل کرونگا۔ ایسا کرتے کرتے جب اِنسان کا باطنی مکان صاف ہو جاوے۔ اور اُس کی کانشنس اُس کے افعال پر اِس قدر قادر ہو کہ وہ اپنی غیر ضروری خواہشات کو پورا کرنے کے اِرادوں سے باز آجاوے اور اُس کے اندر صبر و استقلال اِس قدر ہو جاوے کہ وہ اپنی کانشنس کے مُطابق افعال سے پیدا کردہ سامان پر قانع ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس نے عبادت کی پہلی سیڑھی پر پُختہ طور سے پاؤں رکھدیا ہے۔ اور مُمکن ہے کہ اُس کی کوشش اُس کو دوسری سیڑھی پر چڑھا دیوے چونکہ اکثر عوام آدمی بغیر اپنے باطن کو صاف کئے یہ سوالات کرتے ہیں کہ خدا کیا ہے اس کا حُصول کس طرح ہے۔ پس اُن کو اس وجہ سے کوئی کافی جواب نہیں ملتا ہے اور نہ دیا جا سکتا ہے۔ کہ اگر پرائمری کی پہلی جماعت کا لڑکا ایک عالِم آدمی سے یہ سوال کرے کہ

علم صرف و نحو کا کن موقعوں پر استعمال ہوتا ہے۔ تو جیسے کہ وہ عالم سوائے اِس کے اُسکو

یہ سمجھا وے کہ پیشتر تم کچھ باقاعدہ تعلیم حاصل کرو بعدازاں تم اِس قابل ہونگے کہ تم کو علم

صرف و نحو کی تاثیر سے آگاہ کیا جاوے۔ اِس کے جواب میں اگر وہ لڑکا اصرار کرے تو

اُس کا اِصرار ایسے ہی فضول ہوگا جیسے کہ ایک تاریک باطنی اِنسان کی طرف سے

(تاوقتیکہ وہ کچھ نہ کچھ مشق کر کے اپنے باطِن کی تاریکی دُور نہ کر لے۔) یہ سوال ہو کہ خُدا

کیا ہے اور کہاں رہتا ہے اور کِس طرح حاصِل ہوتا ہے۔

کیونکہ اِس علم کے ماہران نے اُس کو گونگو کہا ہے۔ گونگو کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی

حقیقت بیان میں نہیں آسکتی۔ جیسے کہ ایک آدمی مٹھائی کی بابت یہ سوال کرنے لگے کہ

مٹھائی کیسی ہوتی ہے۔ تو چونکہ مٹھائی کی تعریف اِنسان زبان سے نہیں کر سکتا سوائے

اِس کے کہ اُس کو یہ جواب دینا پڑے کہ تم خُود کھا کر دیکھو خُود ہی مَعلُوم کر لوگے اِسی طرح

جو باتیں قابل بیان نہیں ہیں وہ زبان سے یا کِسی دیگر اشارہ سے نہیں سمجھی جا سکتی۔ کیونکہ

اُن کا تعلق صِرف روحِ اِنسانی سے ہوتا ہے۔ اِس لئے وہ باتیں روحانی مشق سے

حاصِل ہو سکتی ہیں +

فصل پنجم

پرستش یعنی پوجا

ہر مُلک میں اِنسان ایک دوسرے کی درجہ بدرجہ پُوجا کرتا ہے۔ پُوجا کے صحیح معنے

یہاں پر خدمت کے ہیں لیکن خدمت کا لفظ اِنسان کے اندر باہمی اِستعمال ہوتا ہے

اور پُوجا کا لفظ اُن طاقتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ جو طاقتیں اِنسان سے بیش

ہیں۔ اکثر مقامات میں اوتاروں رِشیوں مہر شیوں بزرگوں ریفارمروں کی ہر قسم کی دھات لکڑی ربڑ وغیرہ کی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ اور یہاں تک خدمت کیجاتی ہے کہ اُنکو زیورات پہنا کر اُن کے آگے طرح طرح کے کھانے رکھ کر اُن کے آگے گا کر ہنس کر رو کر ہاتھ جوڑ کر سجدہ کیا جاتا ہے۔ بیشک پجاری کے اندر یہ خیال ہوتا ہے کہ در اصل میں اُس تصویر کی پوجا نہیں کر رہا ہوں بلکہ اُس بزرگ یا اوتار یا پیغمبر کی روح کی خدمت کر رہا ہوں جس کا کسی زمانہ میں ظہور ہوا تھا۔ اگرچہ اِس قسم کی پوجا بھی ایک قسم کی بزرگوں اور اوتاروں کی روح کی خدمت ہے اور ایک طرح کی تعظیم ہے۔ جیسے کہ ہمارے دِل میں اپنے بزرگوں کی بعد تعظیم رہتی ہے۔ لیکن عالمان کے نزدیک یہ تعظیم اُس مقدار اور اُس درجہ سے بڑھی ہوئی ہے کہ جیسی کہ مناسب چاہیئے تھی۔ بیشک جیسے کہ ہر ایک فعل اپنے درجہ سے تفریط اور افراط حاصل کر کے ضرررساں ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اُس کا بھی حال ہے۔ مانا کہ تعظیم ہر صورت میں بہتر ہے لیکن اس کے خلاف عمل بدتر ہے جبکہ تعظیم اُس افراط سے کی جاوے کہ جس افراط سے اُس کی ضرورت نہ تھی زید برائے تعظیم اگر اپنے متوفّی والد کا نام تمام دن بیٹھا لیتے جاوے۔ بیشک اُس کے دیگر فرائض منصبی کو نقصان پہنچیگا۔ یا زید اگر اپنے باپ کی تصویر بنا کر اُس تصویر کے پاؤں دبائے۔ یا اُس تصویر کے مُنہ میں کھانا ڈالے۔ اُس تصویر پر خوشبو ڈالے وغیرہ وغیرہ تو عالمان کے خیال میں اُس کے باپ کی روح کو وہی فائدہ پہنچے گا جو اُس کے باپ کی روح کا اور اُس تصویر کا تعلّق ہے۔ لیکن ظاہراً بذریعہ عُلوم ماہران عُلوم کے معلوم کیا ہے کہ شیر کی تصویر قدرتی طور پر پھاڑ کھانے کی طاقت بالکل نہیں رکھتی جو کہ در اصل زندہ اور اصلی اور تندرست شیر میں ہوتی ہے۔ وہ محض فوٹو ہے جو کہ صرف دِل بہلاؤ کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ شیر کی تصویر آگے گوشت ڈالنے سے دُنیا کے کسی زندہ

یا متوفی شیر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ شاید ایسی حرکات کا خیال کرکے بعض ریفارمروں نے
بُت پرستی کو فضول بتلانے کے علاوہ فعل حرام تک ٹھیرایا ہے۔ لیکن بُت پرستی سے بالضرور
ایک خفیف سا فائدہ یہ حاصل ہو سکتا ہے کہ جو ہندوستان کا نقشہ دیکھنے والے لڑکے کو
معلوم ہو جاوے کہ ہندوستان میں آنے جانے کا راستہ دریا پہاڑ وغیرہ اُس جگہ ہیں۔
مُورتی پُوجک اس سوال کو بہت معقول خیال کرتا ہے۔ کہ چونکہ بغیر کسی تصویر کے تصوّر جمنا
مشکل ہے۔ اور پرماتما کی کوئی تصویر نہیں ہے۔ تو پھر ہم عبادت کرتے وقت کس چیز کا تصوّر
دِل میں جماویں۔ لیکن بہتر ہوتا کہ وہ اس بیان کو اس طرح ادا نہ کرتا۔ کیونکہ جب وہ خود ہی مانتا
ہے کہ پرماتما کی کوئی تصویر نہیں ہے تو وہ کس شے کی تصویر بنا کر اُس کا کیا تصوّر قائم
کریگا۔ اُس کے جواب میں وہ ایک حجّت پیش کرتا ہے کہ پرماتما خُداوندکریم جب ایک
مَوقع کو پورا کرنے کے لئے اِنسانی وجود میں آئے تب ہم نے اُس کا فوٹو کیا اور سمجھا
کہ خداوندکریم کی یہی تصویر ہے۔

لیکن اگر یہ خیال اُس کا محض اُس وقت سے پیدا ہُوا کہ جب سے اُس کے خیال
کے مُطابق خُداوندکریم کا کسی قِسم کے جِسم میں ظہور ہُوا۔ تو اُس جِسم کے فنا ہونے تک
اِس خیال کی پیروی لازم تھی۔ کیونکہ بالفرض اگر خُداوندکریم پرماتما نے موقع پُورا کرنے کے
لئے مثلاً ایک بھیڑیے کا جِسم بنایا اور موقع پورا کرنے کے بعد اُس کو فنا کردیا تو یہ ہرگز
قرار نہ پاسکیگا کہ خُداوند کا جِسم بھیڑیا ہے۔ یا پرتما بھیڑیے کی شکل میں ہے کیونکہ اُسی کے
خیال کے مُطابق وہ عارضی حالت تھی۔

دوسرا خیال کہ ایشور خداوندکریم ہر جگہ میں موجود ہے۔ تو کیا مُورتی میں موجود نہیں ہے
بیشک عالمان نے اُس کا وجود ذرہ ذرہ میں مانا ہے۔ لیکن اُس صُورت میں وہ صرف مُورتی

کے ذرّات میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ جن ذرّات سے پجاری مرکّب ہے اُن ذرّات اور تمام اور چاروں طرف کے دیگر سامان کے ذرّات میں بھی موجود ہے۔ اور جانور کے تمام جسم کے ذرّات میں وہ موجود ہے تو قصّاب کے جسمانی ذرّات میں بھی موجود ہے۔ اور چھری کے ذرّات میں بھی اُسی شکل میں موجود ہے۔ پھر یہاں پر کسی فعل کے کرنے یا کرانے یا جائز ناجائز ضروری غیر ضروری کی تمیز نہ رہنی چاہیئے۔ لیکن چونکہ مورتی کا پجاری اِن خیالات کا پابند نہیں ہے۔ اِس لئے اِس راستہ میں اُس کا یہ جواب بالکل ناکافی ہے۔

تیسرا خیال کہ مورتی پوجا عبادت الٰہی کی ایک قسم کی مشق ہے۔ لیکن مشق اُس فعل سے ہونی چاہیئے کہ جو اُس کے معراج پر مبنی ہو۔ ایک شخص چارپائی بُننے کی مشق کر کے فن ڈاکٹری کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر مشق اُس فعل سے تعلق نہ رکھتی ہو کہ جس کی منزل پر شائق کا پہنچنے کا ارادہ ہے تو وہ مشق اُس فعل کے تعلّق سے قطعی مانع ہوگی نہ اُس کا سوائے تضیع اوقات کے کوئی اثر ہوگا نہ اُس سے اُس فن میں کچھ لیاقت پیدا ہوگی۔

چوتھا خیال کہ ہم کو مذہبی اطوار کے مطابق رسم و رواج کو انجام دینے وقت مورتی پوجا کرنا ضروری ہے۔ بیشک یہ خیال معقول ہے۔ لیکن اگر کسی قابل انسان کو معلوم ہو جاوے کہ فلاں فعل صرف مذہبی احکام کو عمل میں لانے کے لئے کیا جانا ضروری ہے۔ دراصل اُسکی کچھ اصل نہیں ہے۔ تو اُس کو مناسب ہے کہ وہ اُس کو اپنے خیال میں اُسی درجہ تک جگہ دیں کہ جس درجہ تک اُس کو سمجھے ہوئے ہیں۔

پس ہم کو یہ ضروری ہے کہ ہم ریفارمر دل پیغمبروں بزرگوں رشیوں وغیرہ کی عزّت کو اپنے دل میں جگہ دیں۔ اُن کی گذشتہ زندگی کی عزّت کریں۔ اُن کی لائف یعنے سوانحعمری پڑھیں پڑھا دیں اور اُس سے سبق حاصل کریں۔ اُن کی تصویر کو دیکھنے کے لئے اپنے مکان میں

رکھیں۔ لیکن صرف کسی اوتار یا پیغمبر یا بزرگ کی تصویر کو خدا ماننا یا خداوند کریم پرم آتما ماننا بیشک خدا کی لاانتہا طاقت کے ماننے سے محروم ہونا ہے۔ کیونکہ ہمارے خیال کے مطابق ہر ایک جسم کی وفات کے بعد روح ایک ایسی جگہ چلی جاتی ہے جس کی بابت مشرح بیان ہونا بہت مشکل ہے۔ اور جسم جو کہ اربعہ عنصری سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ اُسکی تکمیل میں فرق آجانے سے اُس کے جز اربعہ عناصر میں مل جاتے ہیں۔

فصل ششم

خیرات

خیرات ایک انتظامیہ فعل ہے۔ جو کہ صرف انسانی خیالات سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً یہ بات کانشنس خود ہی پیدا کرتی ہے کہ انسانوں کی زندگی میں جیسے کہ اور انتظام ضروری ہیں ایسے ہی خیرات بھی انتظام کا ایک جز ہے۔ بلکہ یہ جز انصاف سے بھی تعلق رکھتا ہے جیسے کہ منتظم آدمی ہر ایک جگہ میں اپنے حسنِ انتظام میں ضروری اور غیر ضروری امورات کا لحاظ رکھ کر انتظام کو انجام دیا کرتا ہے۔ ویسا ہی یہ فعل بھی انسانی فعل ہے۔ بیشک اس کے عالمگیر اصولوں کے خلاف چلکر اس بارہ میں ایک نہایت بدانتظامی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً روٹی سے سیر ہوئے ہوئے کو بھوجن۔ پانی سے سیر ہوئے ہوئے کو پانی۔ دولت مند کو روپیہ پیسہ۔ تندرست کو دوائی۔ مقام ضروری میں حتے المقدور اشیاء ضروری کا بہم نہ کرنا و مقام و مقام غیر ضروری میں اشیاء غیر ضروری کا بہم پہنچانا وغیرہ ان سب افعال کے پورا کرنے سے ایسی بدانتظامی وقوع میں آتی ہے کہ جس کی بیخکنی از حد مشکل ہو جاتی ہے آجکل خیرات کا بہت سا حصہ محض برباد ہی نہیں جاتا بلکہ خلائق میں نقص ڈالتا ہے۔ وہ

لوگ جو متبرک مقامات پر خوب عیش و عشرت اور نقصان دہ فعل کرتے ہیں اور اُن شخصوں کے بھروسہ کہ جو لوگ اُن کو روپیہ یا دیگر سامان بہم پہنچاتے ہیں صرف ایسے کاہل مزاج اور سُست اور بدافعال ہی نہیں بن جاتے بلکہ نہایت بدتہذیب اور نالایق اور فضول گو اور عیاش اور قمارباز اور طرح طرح کے خرابات میں مشغول رہتے ہیں۔ خیرات کرنے والوں کا یہ خیال کہ ہم تو اُن کو اپنی طرف سے خیرات کر دیتے ہیں۔ خواہ یہ کچھ ہی کریں بالکل پوچ اور ردّی سے ردّی ہے۔

بلکہ ایک ایسا فعل ایک سمجھدار انسان کو بالکل فضول معلوم دیتا ہے کہ اپنے بچّہ کو انسان کھانے پینے اور رہائش کے لئے روپیہ دے۔ لیکن اگر وہی بچّہ اُس روپیہ کو سُلفے بازی میں اُڑانے لگے تو باپ کی طبیعت پر کیسا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ جس مطلب کو پورا کرنے کے لئے اِنسان اپنی کمائی کا بڑا حصّہ خرچ کرتا ہے اگر بادی النظر ہیں وہاں پر اُسکے خیالات کے خلاف عمل ہوتا ہو تو ایسے موقع پر دانستہ چشم پوشی کرنا اپنی ہی نظر ہیں اپنی طاقت روحانی کو بیکار بنانا نہیں ہے۔ بلکہ سوائے عارضی ناموری حاصل کرنے کے دیگر پبلک پر بہت مُضر اثر پیدا کرتا ہے۔

مسئلہ خیرات ہیں بہت سا حصّہ تو مذہبی اطوار کو پُورا کرنے میں دیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کوئی مذہبی اصول اِس بات پر مبنی نہیں ہے کہ دان دیتے وقت ضروری اور غیر ضروری جائز اور ناجائز کا لحاظ نہ رکھا جاوے۔

تمیرا خیال کہ ایسے موقع پر خیرات کرنے سے نجات یا موکچھ حاصل ہوتی ہے کسی معقول دلیل کو لئے ہوئے نہیں ہے۔ اگر واعظان مذہبی کا یہ منشاء نہ تھا کہ عوام کو غلط سبز باغ دکھلاکر اپنی اولاد کے لئے اُس کے آثار چھوڑ دئے جاویں تو شاید یہ منشاء بھی نہ تھا کہ سب اقوام کے ساتھ انصاف سے کام لیا جاوے۔ جیسے کہ ایک طبیب اپنی دوائی کی تعریف بمبالغہ

بیان کرتا ہے۔ اور اُس کی قیمت وصول کرنا اُسکے مدنظر ہے۔ خواہ عوام کو فائدہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اُن کی حالت نظر آتی ہے۔ ورنہ ایسے موقع پر مناسب ہے کہ اپنے روپیہ کو خیرات کرنے سے دو چار گھنٹہ پیشتر سوچ کر خیرات کرے۔ ورنہ سوائے عارضی طور پر واہ واہ کرا کر سوائے عارضی طور پر نامداری حاصل کرنے کی بجائے اس کے کہ وہ دن بدن سست اور کاہل بنتے چلے جاویں اور اپنی اولاد کے حق میں اُن کی اولاد مُضر ہو۔ کوئی فائدہ کی صورت نہیں ہے۔

خیرات کے موقعے ہزارہا ہیں۔ وہ بھکو کا جو اپنی محنت سے اپنی گذران نہیں کر سکتا ہے اگر کوئی دیگر خاص وجہ مانع نہ ہو تو اُس کے لئے مناسب اشیاء قابل خیرات ہیں۔ وہ ننگا جو اپنی محنت سے کپڑے نہ مُہیّا کر سکتا ہو۔ وہ بیمار جس کا کوئی خبر گیراں نہ ہو۔ وہ معصوم بچّہ جو کہ بغیر والدین مارا مارا پھرتا ہو۔ وہ بیوہ جو بغیر اپنے خاوند کے ہماری مہذّب اور رحمدل قوم کی چُھری کے نیچے تڑپ تڑپ کر برسوں میں اپنی جان دیویگی۔ وہ ودّیا آرتھی یعنے طالب علم لڑکا کہ جس کے والدین بوجہ مُفلسی اُس کو کتاب تک اور مدرسہ کی فیس تک نہیں دیسکتے۔ وہ مُجرم کہ جو بیگنا پھنس گئے اور بوجہ مُفلسی اخراجات مقدمہ مُہیّا نہیں کر سکتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اے ملک تجھ میں کبھی کثرت کے ساتھ ایسے انسان بھی ہونگے جو اپنا آرام تیاگ کر اپنا عیش دور کر کے اپنی عارضی بڑائی کو لات مار کر سچّے رحم کا جھنڈا ہاتھ میں لیکر اُن غریب یتیم لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈکر اُن کی مدد کرینگے کہ جو دُکھ کے کونے میں پڑے ہوئے دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں۔ جب رونے کی طاقت نہ رہی سسک رہے ہیں۔ اور سسک سسک کر دہیں مر گئے ہیں۔ اور باقی مرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن کسی نے نہ پوچھا کہ کون تھا۔ اے مُلک کیا اب اُن لایق مُنشوں کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ جو اپنی کمائی کا بڑا حصّہ بطور سچّے دان دیویں اے مُلک اِس آزاد زمانے میں تجھ میں وہ مُنش بھی پیدا ہونگے کہ جن کا جان و مال و جسم

اِسی مُلک کے اپاہج لولے لنگڑے غریب لوگوں کے حصّہ میں آوے۔ بیشک علمی روشنی سے کافی اُمید ہوسکتی ہے۔ کہ قابل سے قابل انسان کے اندر کبھی نہ کبھی یہ بھاؤ ضرور پیدا ہوگا کہ وہ اپنی کمائی یا روپیہ کو خیرات کرتے وقت علم کے عالمگیر اصولوں کا خیال رکھ کر حق رساں کی حق تلفی نہ کرے جو کہ اُس کے لئے سچّا بہشت ہے اور فرضی اور عارضی ناموری کو لات لگائے جو کہ جھوٹے مُلمّع کی طرح چند روز بعد بالکل سیاہ اور بیکار ہوجانے والی ہے۔

فصل ہفتم

مذہب

ان اوراق کے مُصنّف سے بارہا یہ سوال کیا گیا کہ آپ ہندو ہیں یا مُسلمان یا عیسائی یا نصارے۔ یا یہودی۔ یا سکھ غرضیکہ کون ہیں۔ میں اُن کے اِس اِستفسار کا جواب مفصّل اور صاف طور پر دینا چاہتا ہوں۔

دُنیا میں بہت ایسے آدمی ہیں کہ سوائے اُن دو جماعتوں کے اوّل جو کہ انسانی فطرت کے الہام کو الہام سمجھتی ہے۔ دوسرے جو کہ اپنے خیالات کو کسی خاص کتاب یا حکم کی تعمیل کرنے کو اپنا فرض منصبی یا دھرم خیال کئے ہوئے ہے۔

زید

خواہ کاشی کا پنڈا ہے خواہ مکّے کا مجاور ہے۔ خواہ گرجا کا چارج ہے۔ خواہ بڑی بڑی مالا و بڑے بڑے تلک لگاکر اور بڑی بڑی پُشتکیں بغل میں دبا کر اپنے آپ کو نہایت اعلےٰ پنڈت ظاہر کرتا ہے۔ خواہ جواہرات بیچتا ہے۔ خواہ جھاڑو ٹوکرا لیکر اُسی روزی سے اپنی اوقات بسر کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ اگر وہ زبردستی طور سے دوسرے لوگوں کو اپنے مذہب

میں شامل کرنے کا خیال نہیں رکھتا ہے۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا ہے۔ دُنیا کے سب لوگوں کو اپنا بھائی سمجھتا ہے۔ ناحق کسی پر بے رحمی سے کسی طرح کا ظلم نہیں کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ تو ایک نہایت اعلےٰ سوسائٹی اور بڑے سے بڑے مذہب کا ایک اعلےٰ ڈیوٹی فل ممبر ہے۔

مگر اگر بدنیتی سے دوسرے مذہب کے لوگوں کو پھسلا کر اور انکو روپیہ کا لالچ دیکر یا کسی دیگر طور سے جھوٹی ترغیب دیکر اور باتوں کا جعل پھیلا کر دُنیا میں بدامنی کا تخم بوتا ہؤا فروعات پر جھوٹی بحث کرتا ہے۔ خواہ وہ گوڑ برہمن ہو۔ یا خالص سید ہو۔ یا پادری ہو نہایت نیچ سے نیچ سوسائٹی کا ممبر کہلانے کے لائق ہے۔

ہمارے خیال میں مذہب ریفارمروں کا مُقرّرہ راستہ ہے۔ جو کہ منزل مقصود پر پُہنچانے کا ذریعہ کہلاتا ہے۔ لیکن چونکہ مختلف مذاہب نے منزل مقصود کو حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے راستے ایجاد کئے ہوئے ہیں (خواہ اصولاً۔ خواہ فروعاتاً) اِس لئے ہر ایک آدمی کو اپنے مذہب کے اصول اور فروعات پر چلنا پڑتا ہے۔ لیکن جیسے کہ ایک آدمی راستہ چلتے چلتے جھاڑیوں میں پھنسکر رہ جاتا ہے اسی طرح مذہبی ممبر فروعات کی جھاڑیوں میں پھنسکر منزلِ مقصُود پر پُہنچنا تو درکنار وہیں کا وہیں رہکر نہ پیچھے لوٹ سکتا ہے اور نہ آگے کا رہتا ہے یہ فروعات مثلاً ہندو اور مُسلمان کی سالہاسال سے اِس امر پر بحث ہو رہی ہے ایک کہتا ہے چوٹی رکھنی ضروری ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے غیر ضروری ہے۔ اِس بحث پر بڑی آسمانی اور الہامی کتابیں پیش کیجاتی ہیں۔ بڑے بڑے عالمان بُلوائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے مُدلّل ثبوت دئے جاتے ہیں۔ اور بہت سی مغز زنی کی جاتی ہے۔ لیکن قسمت کی خوبی سے اِس کا آجتک قطعی فیصلہ نہ ہؤا۔ نہ ہندوؤں کی چوٹی اُڑی اور نہ مُسلمانوں نے اُسکو سر پر رکھا۔ وغیرہ۔ یہ فروعات ہے اور دراصل یہی فروعات کسی مذہبی معراج حاصل کرنیکا مانع ہے

اسی فروعات کی وجہ سے ایک مذہب کا آدمی دوسرے مذہب کے لوگوں کو نہایت ہی
نفرت سے دیکھتا ہے۔ اور مِل بیٹھکر کھانا پینا تو درکنار چھونے تک سے پرہیز کرتا ہے۔
اور ایسا کرنے سے اِنسان ایسا متعصّب ہو جاتا ہے کہ کُل دُنیا کے لوگ اُس کو اُنکی نظروں
میں حقیر آنے لگتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھتا ہے۔ بلکہ دیگر لوگوں کو اپنے خیالات
میں شامل کرنے کے لئے اِنصاف سے بہت دور رہ کر ظُلم پر کمر باندھ لیتا ہے۔ اور جس طرح
چاہتا ہے جبر و ظُلم سے دیگر لوگوں کے مذہب تبدیل کرا کر اپنے مذہب میں شامل کرتا ہے
خواہ ایسا کرنا کسی مذہب کا تقاضا ہی نہ ہو۔ سقراط جیسے دانا کو اس فروعات نے زہر پلوایا
حالانکہ اُس کا کچھ قصور نہ تھا۔ منصور جیسے کامل فقیر۔ بابا نانک۔ شنکر چاریہ۔ دیانند سرسوتی۔
گورو گوبند سنگھ۔ پیغمبر علیہ السلام وغیرہ جن کی زندگی بالکل نیک تھی اُن کو ان فروعات نے ہی
طرح طرح کی تکلیف میں مُبتلا کرایا۔ بلکہ جانیں تک دے لیں۔ اِس فروعات کی بدولت آج
ہمارے مُلک میں اس قدر نفاق پڑا ہوا ہے کہ آدمی کو دیکھکر آدمی جلتا ہے۔ یہ فروعات
ہی ہے کہ ہندوستان کے بیس پچیس آدمی اِکھٹے ہو کر کہیں جائیں۔ یا مِل کر کچھ کام کریں سب کی
فروعات علیحدہ خیالات علیحدہ۔ کھانا پینا علیحدہ۔ حُقہ پانی علیحدہ۔ گویا ایسا معلُوم دیتا ہے
کہ قُدرتی نفاق ہے۔ بیشک یہ فروعات ہر ایک مذہب کے مُوجد نے اپنی اپنی بات غالب رکھنے
کے لئے بنائی ہے۔ جو کہ دبی خود غرضی کا پودا زہر پیدا کر کے اپنا اثر دکھلا رہا ہے۔ ورنہ قدرتی
لحاظ سے تمام دُنیا کے لوگوں کا ایک ہی مذہب ہے۔

بیشک ہم ایسا کرنے پر مجبُور نہیں کر سکتے کہ سب مذاہب کے آدمی مِلکر اور اکٹھے ہو کر
ایک ہی برتن میں ہاتھ ڈال کر کھانا کھائیں۔ تاکہ ہماری برادری اور کُنبہ کے لوگوں میں
بدانتظامی پیدا ہو جاوے۔ اور نہ یہ کسی مذہب کا اصول ہے لیکن ہم کو مناسب ہے

کہ اپنے مذہبی اطوار یا طرائق کو پورا کرتے ہوئے یہ نہ سمجھیں کہ دیگر سب مذاہب والے ہم سے ہیچ ہیں۔ کیونکہ اگر علمی دلائل سے مذہبی فروعات پر بحث کی جاوے۔ تو سب مذاہب کے ساتھ یکساں بحث ہوگی۔ اور سب کی طرف سے قریب قریب یکساں جواب حاصل ہوگا۔ پھر کیا ضروری ہے کہ تبدیل مذاہب کے خیالات پیدا کرکے دُنیا کی لعنت اپنے اوپر لیجاوے اور دُنیا کے حصّہ کو اپنا دشمن بنایا جاوے۔ البتہ اگر کسی عالم و واقف انسان کے خیالات ایسے پختہ ہوں کہ اُسکو مذہبی موت کا کچھ غم نہ ہو تو اُس کو اپنے فعل کا ہر طرح اختیار ہے ٭

فصل ہشتم

آتما۔ بُراد رُوح اِنسانی

اِنسانی رُوح کے حدوث و قدیم ہونے کی بابت اگرچہ حکمائے سابقہ نے بہت کچھ تحقیقات کی ہے لیکن بڑی بحث کے بعد اب تک بھی اِس مسئلہ کا اُس طرح فیصلہ نہیں ہُوا ہے کہ جس طرح پر ہونا چاہیئے تھا۔

پہلا گروہ جو کہ اس کو قدیم مانتا ہے۔ بڑے زور سے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ فرض کرو ایک آدمی دولت مندی میں پیدا ہُوا اور طرح طرح کے سامان حاصل کرتے ہوئے نہایت خوشی اور خُرمّی سے زندگی بسر کی۔ دوسرا آدمی اُسی وقت ایک نہایت غریب آدمی کے یہاں پیدا ہُوا اور بوجہ افلاس طرح طرح کی تکالیف اُٹھاتے ہوئے زندگی کے دِن پورے کئے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ اوّل تو آرام کی جگہہ پیدا ہُوا۔ دوم اُس کی زیست میں آرام ملا۔ فریق ثانی افلاس کی جگہہ اوّل سے پیدا ہُوا اور زندگی بسر ہوتے ہوئے طرح طرح کی تکالیف اُٹھائیں۔ اور آرام اور تکلیف کا اُٹھانا عالمان کے نزدیک افعال نیک اور افعال بد پر منحصر ہے۔ تو پھر اُن

دونوں نے سوائے پچھلے جنم کے اور کس جگہ پر نیک یا بد کام کئے تھے کہ جن کی وجہ سے اُنکو ظاہر ہوتے ہی تکلیف و آرام ملا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جبکہ رُوح اُس حد تک جسم نہیں رکھتی ہے کہ جس کو پیدائش موت۔ گھٹنا۔ بڑھنا وغیرہ ہو سکے۔ تو اِس صُورت میں بھی رُوح کا پیدا ہونا اور مرنا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرا گروہ ان ہر دو دلائل کو قطع کرتا ہوا اپنا خیال ظاہر کرتا ہے۔ اوّل یہ کہ دُنیا کی زندگی کا دار و مدار اسباب اور سامان پر ہے۔ جیسے سامان جس جگہ موجود ہوتے ہیں ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ ایک جگہ مٹّی کا چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ ہوا کا جھوکا لگتے ہی گُل ہو گیا۔ جو کہ اسباب سے پیدا ہوا تھا اور اسباب میں مل گیا۔ ریلوے انجن سب سامان اور اسباب سے تیّار ہو کر طاقت رفتار حاصل کرتا ہے۔ اور اُس سامان کے اکٹھا ہونے کی ترکیب اور تکمیل میں فرق ہونے سے وہ رفتار بھی معدُوم ہو جاتی ہے۔ علے ہذ القیاس۔ جنگل کی سرزمین میں موسم برسات میں سٹرانڈ اکٹھا ہونے سے سینکڑوں قسم کا جاندار مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دھوپ لگنے یا اُن کی زندگی کے خلاف ہوا چلنے سے فنا ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اِنسانی زندگی کی حالت ہے۔ اور نہ معتقد کے پاس کوئی بدیہی ثبوت اِس امر کا ہے کہ پیدا ہونے سے پیشتر وہ کہاں اور کس حالت میں کہاں پر تھا۔ اور کیا فعل کرتا تھا۔ کیونکہ رُوح قدیم ہوتی تو بالفرض اُس کی طاقت میں فرق نہ آتا۔ کیونکہ یاد رکھنا دیکھنا حاصل کرنا وغیرہ کُل افعال کا مُحرّک رُوح ہے پھر کیا ضرورت اِس امر کی ہے کہ کسی کتاب کے ذریعہ سے اعتقاد دلایا جاوے۔ اور رُوح کو اس امر کے علم سے ناواقف ٹھہرایا جاوے۔ دوسری دلیل کے جواب میں یہ بات پیش ہوتی ہے کہ علم طب جس کا اِس مسئلہ سے خاص تعلق ہے مُدلّل ثبوت اور شہادت دیتا ہے

کہ روح ایک قسم کے اخلاط کا ایک خاص ترتیب سے اجتماع ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اُس ترتیب میں فرق آنے سے اُس کے فعل میں فرق آجاتا ہے۔ روح صرف اُس طاقت کا نام ہے۔ کہ جو اُن اسباب کے جمع ہونے سے نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ رُوح کوئی دوسری شے نہیں ہے۔

دراصل رُوح کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ جو بذات خود اپنی قدامت کو ظاہر کرتی ہو۔ ایک زندہ جانور یا انسان کو آگ کی ڈھیری میں ڈالتے ہی تھوڑی دیر میں تڑپ کر اُس کا جسم لکڑی کی مانند جل کر خاک ہوجاتا ہے۔ بیہوشی ہوتے ہی آدمی مٹی یا پتھر کی مثل ہوجاتا ہے۔ دل کی رفتار بند ہونے سے تمام اعضا کی رفتار بند ہوجاتی ہے۔ خون کا دورہ بند ہونے سے تمام اعضا کی حرکت بند ہوجاتی ہے۔ اِسی لئے عالمان نے مانا ہے کہ روح دراصل جسم کا جُز ہے۔ اور دیگر کوئی دوسری چیز نہیں ہے +

فصل نہم

تعلیم

قدرتی علم قدرتی طور پر انسانی یا حیوانی بچّہ کے اندر ہوتا ہے۔ گویا اعضا میں قدرتی تحریک ہوتی ہے۔ دو چار روز کے پیدا شدہ بچّہ میں ہنسنا رونا دُودھ پینا وغیرہ سب طاقتیں قدرتی پیدا ہوتی ہیں۔ جوں جوں اعضا بڑے اور طاقتور ہوتے جاتے ہیں۔ تیوں تیوں سب طاقتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ اگرچہ قدرتاً انسان یا دیگر حیوان کو کسی مزید تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن بوجہ زیادتی مادۂ فہم و ادراک جوں جوں انسان کی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں۔ تیوں تیوں یہ مختلف وسائل سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے

حصول اسباب میں سعی کرتا ہے جس میں سے ایک ذریعہ تعلیم ہے۔ اگرچہ تعلیم کا اثر انسانی جسم کے بہت بڑے جزو کو بہت جلد ناکارہ کر دیتا ہے۔ دماغ کو کمزور کر دیتا ہے۔ خیالات میں انتشار بڑھ جاتا ہے۔ ضروریات کا میدان بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ حسد کینہ بُغض ترقی کر جاتے ہیں۔ دیگر انسان کو دیکھ کر اُسی کی طرح تکلّف بڑھانا چاہتا ہے۔ لیکن جب تک اِن ضروریات کو سمجھنے اور سوچنے کا مادہ پیدا نہ ہو کر اِن ضروریات کو غیر ضروری نہ سمجھ لیا جاوے تب تک ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حصول علم ضروری ہے۔ لیکن اپنی پیدا کردہ ضروریات کو اپنی ہی کانشنس سے قطع کرنا چھوٹا موٹا کام نہیں ہے۔ بلکہ ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔

یہ صرف اُنہی اشخاص کو حاصل ہوا ہے۔ جو کہ رشی مہرشی۔ پیغمبر اولیا۔ اوتار کہلائے۔ ورنہ دوسری قسم کے انسان کو مجال کیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو اپنے مُطیع رکھ سکے بلکہ عموماً طور پر ضروریات کا مُطیع ہونا پڑتا ہے۔ اِسی وجہ سے انسان اسی دُھن میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے میری دُنیاوی حالت دیگراں سے اعلےٰ ہو۔ اگرچہ دیگراں سے اعلےٰ بننا اُس کے امکان میں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جہانتک اعلےٰ بنیگا اُس سے آگے تک اُس سے اعلےٰ دیگراں موجود ہیں۔ اِس لئے اس ارادہ کا پورا ہونا اُس کے امکان میں نہیں ہے۔ وہ اعلےٰ رتبہ اُنہی اشخاص کو حاصل ہوا ہے۔ کہ جو دُنیاوی تعلقات سے نافر ہو کر تارک الدُنیا ہو گئے تھے۔ ورنہ معمولی انسان کی مجال نہیں ہے کہ وہ دُنیا کے مرے توڑتا ہوا آزاد زندگی حاصل کرے۔ کیونکہ ہر وقت اعلےٰ بننے کا خیال اور سبق ہی انسان کے خیالات کو ادنےٰ کر دیتا ہے۔ اور اسباب دُنیاوی کو اس حد تک حاصل کرتا ہے کہ وہ خود ہی ادنےٰ سے ادنےٰ خیالات کا ہو جاتا ہے۔ جوں جوں علم و اسباب

حاصل ہوتا جاتا ہے۔ غرور۔ گھمنڈ۔ مکر۔ فریب۔ دھوکا۔ بناوٹ تکلیف وغیرہ چاروں طرف سے گھیرا ڈال دیتے ہیں۔ اور کوئی رہبر ایسا نہیں ملتا کہ جو راستہ دکھلا دے۔ چاروں طرف چالاکی سے گھر جاتا ہے۔ اگرچہ یہ سب خیالات علم کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن بغیر علم حاصل کئے دُنیاوی زندگی میں نہایت مشکل واقع ہوتی ہے۔ اِس لئے جب تک اِس قدر استقلال نہ ہو کہ میرا وجود دُنیا میں کسی طرح سے مُقیّد ہونے کے لئے نہیں آیا ہے بلکہ میری زندگی پوری کرنے کے لئے میری قدرتی آزادی میرے ساتھ ہے۔ تب تک بالضرور کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔

چوری کرنا۔ ٹھگی کرنا۔ جوا کھیلنا وغیرہ بھی ایک قسم کی تعلیم ہے۔ اور بغیر تعلیم کے اِن افعال سے کما حقہ طور پر انسان ماہر نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ افعال واعظان قانون کے پسند نہیں ہیں۔ اِس لئے اُنہوں نے اِن افعال کو بوجہ ہو جانے بدانتظامی بُرا سمجھ کر قانوناً ناجائز قرار دیا ہے۔ اور اِن کے کرنے والوں کو طرح طرح سے تکالیف پہنچانا مناسب سمجھا ہے اِس لئے قانون رائج الوقت کا خیال رکھ کر وجہ معاش کے لئے بالضرور کوئی تعلیم حاصل کرے اگر اسباب تعلیم حاصل نہ ہوں۔ تو ہم اِس کا کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اسباب کا کام تو اسباب سے بھی انجام پاتا ہے۔ اور اسباب جو موجود نہ ہو اور نہ ہو سکتا ہو تو پھر اِس بات کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔ سوائے اِس کے کہ جیسے اسباب موجود ہوں اُن کو کام میں لا دے۔

ہمارے خیال میں آجکل بروئے علم طب بارہ سال کی عُمر سے بتدریج سلسلہ تعلیم حاصل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بارہ سال تک دماغ کے پُرزے اِس قسم کے پختہ نہیں ہوتے ہیں کہ اُن میں کوئی بات پہنچا کر اُن کے سپرد کر دی جاوے۔ اگر جبراً ایسا کیا جاوے بالضرور نقصان دہ ہوگا پس بارہ سال سے تعلیم کا سلسلہ اِس طور پر شروع ہونا چاہیئے کہ اوقات حصول تعلیم میں انسان

کو کچھ ضُعف معلوم نہ ہو۔ اور اس کے حصُول میں اُس پر جبر واجب سے زیادہ نہ کیا جاوے۔ پچیس سال تک تعلیم حاصِل ہونی چاہئیے۔ اِس سے کم عرصہ تک تعلیم دینا بالضرور انسانی جسم کے لئے مُفید ہوگا۔ اور اِس سے زیادہ عرصہ تک تعلیم دینا بالضرور بڑھاپے میں سخت مُضر ہوگا۔ ہمارے خیال میں اگر انسان بارہ سال تک کسی قابل مدرس کے پاس تعلیم پاوے بالضرور ایک علم میں خاص اور باقی تھوڑے تھوڑے سب علوم میں ملکہ حاصِل کریگا۔ اور ایک نہایت قابل تعلیم یافتہ آدمی کہلا دیگا۔ جو کہ تعلیم اُسکی تمام عُمر کے لئے کافی ہوگی۔

فصل دہم

دولت

کچھ شک نہیں کہ دنیا کی ضُروریات کو پُورا کرنے کے لئے دولت سے زیادہ کوئی شے نہیں ہے۔ اِسی وجہ سے اِس کے حصُول کے لئے ڈاکہ۔ قتل۔ خُون۔ چوری۔ رہزنی۔ رشوت۔ تُہمت۔ جُھوٹ طُوفان کئے جاتے ہیں۔ اور ہمارے خیال میں ذریعہ مذکورہ بالا ہی سے دولت زیادہ مقدار میں حاصِل ہوتی ہے۔ کیونکہ دولت ہمیشہ زبردست کے قبضہ میں رہتی ہے۔ بغیر دولت کے غریب آدمی دولت مندوں کی رہائش کی طرف دیکھکر اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے اور سوچتا ہے کہ افسوس اگر میرے پاس دولت ہوتی تو میں بھی اِسی طرح زندگی بسر کرتا۔ لیکن مجبُور ہوکر اِس خیال کو وہ اپنے دِل ہی دل میں جذب کر لیتا ہے۔ دولت خواہ کسی ذریعہ سے اِنسان کے ہاتھ لگ جاوے اُس کی عزّت کو بڑھا دیتی ہے۔ عیب اور دیگر قسم کے شوقیہ ناجائز افعال کو چھپانے کے لئے گہری اور موٹی چادر کا کام دیتی ہے۔ دولت مند عیبی کو بھی دولت شوقین کہلواتی ہے۔ غریب عیبی کو بوجہ نہ ہونے دولت کے لوگ بدمعاش کہتے ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ دولت کا کم زیادہ ہونا قسمت پر منحصر ہے۔ اور عالمان کا خیال ہے کہ اسباب کے تعلّق ہے۔ لیکن خیر کچھ ہی ہو دولت بڑی جد وجہد سے ہاتھ آتی ہے۔ اِس کے حاصِل کرنے کے لئے اِنسان اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر بھی اس کو حاصِل کرنا چاہتا ہے۔ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے۔ لڑائی کے میدان میں جبکہ سامنے سے گولی چل رہی ہے اور جانتا ہے کہ میری صف کے بہت سے آدمی سامنے سے گولی لگ کر مر چکے ہیں جن کی لاشیں میرے سامنے پڑی ہوئی ہیں۔ لیکن پھر بھی برابر لڑے جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب خطرناک افعال دولت کے حاصِل کرنے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ لڑکا چھ برس کی عُمر سے تعلیم حاصِل کرنے لگا ہے اُس کا دماغ کمزور ہو گیا جسم کمزور ہو گیا۔ بینائی میں فرق آ گیا۔ لیکن رات دن برابر تعلیم حاصِل کرنے میں مشغول ہے۔ چہرہ کا رنگ زرد ہو رہا ہے۔ کھانے پینے آرام کرنے آزاد رہنے کی کچھ پرواہ نہیں یہ سب تکالیف کیوں برداشت کی جاتی ہیں روپیہ کے لئے۔ کیونکہ روپیہ ہی سب چیزوں کے حاصِل کرنے کا ذریعہ ہے۔

یہ روپیہ بعض وقت عِلم اور عقل تک کو خرید لیتا ہے۔ آقا بیوقوف یا کم عقل کے پاس روپیہ ہے لیکن مُلازم عقلمند ہے۔ آقا بے عِلم کے حضور میں عالم شخص مُلازم ہے۔ علیٰ ہٰذالقیاس۔ غرضیکہ دُنیاوی ضرُوریات پُوری کرنے کیلئے سب مُعاملات کا روپیہ پر دار ومدار ہے۔

اِس میں کچھ شک نہیں کہ دُنیا میں ایسا آدمی کوئی نہ دیکھنے میں آیا ہوگا۔ کہ جس کے خیالات کسی نہ کسی پہلو سے کسی نہ کسی طریقہ سے روپیہ کی حصُول ایزادی میں مانع ہوں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض طبائع تو حق ناحق ناجائز وجائز کی کانشنس کے مُطابق تمیز نہیں رکھتی اور بعض رکھتی ہیں۔ زید کی خوش قسمتی سے زید کو ایسی کسی قسم کی نیک صُحبت حاصِل ہونے سے یہ سبق مِل سکتا ہے۔ کہ زید چوری کرنا۔ جھوٹ بولنا۔ ٹھگی۔ رہزنی۔ بیرحمی۔ دھوکا بازی سے روپیہ حاصِل نہ کرنا

چاہیئے اور جس قدر اُس کو اپنے طریقہ لین دین خرید فروخت یا آمدنی پیداوار زمین یا دیگر آمدنی از قسم مذکورہ بالا سے حاصل ہو۔ نیک نیتی سے اُس کو ترقی دے۔ اور بکر کی بدقسمتی سے بکر کو ایسی بدصحبت حاصل ہونے سے اُس کی طبیعت کو چوری۔ جھوٹھ۔ ڈکیتی وغیرہ سے روپیہ حاصل ہونے کی ترغیب دے جو کہ خلقت کے حق میں ضرر رساں اور فرق ڈالنے امن و انتظام دُنیاوی و شاہی کے ہیں۔

اِنسان جس وقت یہ سوچتا ہے کہ جس قدر روپیہ مُجکو میری نیک نیتی سے محنت کرنے پر حاصل ہوتا ہے اور وہ بہت ہی کم تعداد میں ہے کہ جس قدر مجکو اُس کی معمُولی طور پر ضروریات کے پورا کرنے کے لئے ضرورت تھی۔ ادہر تو ضروریات اُس کو اس امر پر مجبُور کرتی ہیں کہ وہ حالت موجودہ آمدنی سے زیادہ روپیہ حاصل کر کے اُن ضروریات کو پورا کرے۔ اُدہر اُس کی کانشنس اُس کو منع کرتی ہے کہ چوری جھوٹ۔ دغابازی۔ فریب یا کسی دیگر قسم کی بددیانتی سے روپیہ حاصل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ تو ایسے موقع پر اگر افسوس کہ بڑے بڑے ثابت قدموں کے قدم لالچ کی طرف پھسل جاتے ہیں۔ کہ جو اپنے آپ کو بہت کچھ پایہ کے آدمی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں ثابت قدم رہنا اُنہی کامل فقیروں اور مہاتماؤں کا کام ہے کہ جو لوگ رشی۔ مہرشی۔ اوتار۔ پیغمبر۔ اولیا۔ بنی کہلاتے ہیں۔

بیشک دولت کی طرف سے قانع ہونا کوئی معمُولی بات نہیں ہے۔ اور نہ معمُولی فہم کے آدمی سے قناعت ہو سکتی ہے۔ البتہ غریب آدمی کو ڈھارس بندھانے کے لئے قسمت کا مسئلہ کچھ کام دیدیتا ہے۔ گویا ایک خفیف سا صبر پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن ضروریات کے پورا کرنے میں بالکل مانع ہے۔ ہاں غریب آدمی کو چاہیئے کہ وہ کسی وقت اِس امر پر خیال کر کے بغور و بخوض کام لے کہ جو اِنسان دُنیا میں مجھسے بھی زیادہ مُفلس ہیں۔ جن کو ایک وقت روٹی

مِل جاتی ہے۔ دوسرے وقت کی اُمید نہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک وقت بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی
جاڑا سخت پڑ رہا ہے لیکن بغیر کپڑے کے بغیر مکان کے ٹھٹھر ٹھٹھر کر نہایت تکلیف پا رہے
ہیں۔ بدن میں بیماری ہے۔ کھانے کو روٹی نہیں ہے۔ پہننے کو کپڑا نہیں ہے۔ دوائی حاصل
ہونا تو درکنار کوئی خبر گیراں بھی نہیں ہے۔ نہ کہیں گھر ہے نہ در ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ایسے
اِنسانوں کیحالت کو دیکھکر انسان اپنے دل میں خوش ہوکر شکر ہے خداوند پر ماتما رب العالمین
کا کہ میری حالت تو ان سے ہزار درجہ اچھی ہے۔ اور کسی امیرزادہ کے سامان کو دیکھکر یہ
خیال دِل میں لاتا کہ میری حالت ایسی ہو تو دُنیا میں میری زندگی ہے۔ اِنسان کی حالت کو بہت
پراگندہ کر دیتا ہے۔ اور وہ اپنے لئے اور غیروں کے لئے ایسے نقصان دہ فعل کرتا ہے کہ
جو اُس کو مناسب نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ چار باتیں اگر معمُولی طور پر انسان کو میسّر ہو جاویں تو اُس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ
میری زندگی اچھی رفتار سے چل رہی ہے۔ ایک پیٹ بھر کر کھانا دوسرے کپڑہ و مکان۔
تیسرے صحّت یعنی تندرستی۔ چوتھے اپنے ہمجنسوں میں عزّت۔ اور اگر ان چاروں میں کمی
ہو تو امر مجبُوری ہے۔ اِسکا کچھ چارہ نہیں۔ بادشاہوں اور عالموں اور زبردستوں کے
جو بیے تعـ۔ رالودولت ہاتھ لگتی ہے وہ بہت بڑی طاقت کا کام ہے۔ اُس طرح
سب کے ہاتھ نہیں لگ سکتی۔

بیشک بعض اوقات احمق کو جنگل سے خزانہ مل جاتا ہے۔ لیکن یہ مثال حصول دولت
کے بارہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اور نہ اصولاً یہ مثال قایم ہو سکتی ہے۔ اِس لئے ایک
عام آدمی خود ہی اپنی آمدنی اور خرچ کا حساب اپنی ضروریات کے اندر کر لیتا ہے۔ اور اُس سے
زیادہ ضروریات کو خود ہی اپنی مرضی سے قطع کر دیتا ہے۔ چونکہ ہر طرح اُس کے حق

میں باعث امن ہے ٭

فصل الکا ذدہم

عشق

حکمائے قدیم وجدید نے عشق کو ایک قسم کا مرض قرار دیا ہے۔ اور واقعی دماغی قوّت کو کمزور کرنے میں اس کا حملہ دیگر امراض کے حملوں سے زیادہ موثر ہے۔ اگرچہ عشق بعض وقت جاندار کی طرف سے بے جان چیز پر بھی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بعض اِنسان کو بعض قسم کے زیور۔ کھیل مکان۔ کپڑہ۔ برتن وغیرہ سے ایسا عشق ہو جاتا ہے کہ وہ اُس کو بوجہ اُس کی طبیعت کے موافق خوبصورت ہونے سے اُس کی جُدائی گوارا نہیں کر سکتا۔ لیکن زیادہ تر اکثر جاندار کو جاندار سے ہوتا ہے۔ علاوہ اِنسان کے دیگر قسم کے حیوانات میں بھی آپس میں عشق پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن نہ تو یہ بہت عرصہ تک رہتا ہے اور نہ اِس کا انتشار ہوتا ہے۔ البتہ اِنسان تو بہت سے اِس مرض میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ کوئی اِنسان ایسا ہو گا کہ جس کو سامان عشق سے تعلّق نہ رہا ہو۔ دراصل عشق کی بنیاد خوبصورتی ہے۔ اگرچہ عشق کے نزدیک وہی صُورت خوبصُورت ہے کہ جس صُورت پر اُس کی طبیعت جم گئی ہو۔ خواہ دیگراں کے نزدیک وہ صُورت خوبصُورت ہو یا نہ ہو۔ لیکن تاہم خوبصُورتی ایک ایسی شے ہے کہ جس کے لئے عموماً طور پر خوبصورتی کا اظہار ہوتا ہے۔ عاشق ہونے سے پیشتر عاشق مطلق نہیں جانتا کہ میں کس کے دام عشق میں پھنس جاؤں گا۔ اور مجکو طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن دام عشق میں وہی شخص پھنستا ہے کہ جو خوبصُورتی کی بہت قدرو منزلت کو اپنے دل میں جگہہ دیکر کسی نہ کسی خوبصورت معشوق یا معشوقہ سے ہنسنا۔ بیٹھنا۔ محبّت کرنا۔ کھانا۔ پینا۔ کھیلنا

اور کسی نہ کسی طریقہ سے وصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اُس کے حاصل ہونے پر اپنے آپ کو نہایت مسرور پاتا ہے۔ اور طرح طرح سے دِل کی اُمنگ نکالنا چاہتا ہے۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ دیگر مرض کیطرح اِس کا جوش اور دورہ اوّل ابتدائی حالت میں بہت ہی زیادہ ہوتا ہے۔ اگر معشوقہ یا معشوق بہت تجسّس اور کوشش اور مشکل تمام دستیاب ہو تو اِس کا جوش اور بھی بڑھتا جاتا ہے اور اگر معشوقہ فی الفور دستیاب ہو جاوے اور ضرورت سے بھی زیادہ اُس کا وصل بغیر کسی محنت کے دستیاب ہو اور معشوقہ یا معشوق کی طرف سے کچھ بھی کھچاوٹ نہ ہو تو بہت قلیل عرصہ بعد یہ جوش اُتر جاتا ہے۔ سابقہ عالمان نے عشق کی دو قسمیں مقرر کی ہیں۔ ایک عشق مجازی اور ایک عشق حقیقی۔ عشق مجازی سے مُراد یہ ہے کہ کسی دُنیاوی خوبصورت شے پر عاشق ہو کر حسب منشا اُس سے لُطف حاصل کرے۔ عشق حقیقی سے مُراد یہ ہے کہ پرماتما خُداوند کریم سے بذریعہ طریقۂ عبادت ایسا تعلق پیدا کرے کہ اُسکی یاد اور اُس کی تلاش میں فدا ہو جاوے جیسے کہ منصور۔ بابا نانک۔ شمس تبریز وغیرہ مجذوب گذرے ہیں اور جو کہ صاحب کرامات تھے کیونکہ یہ یاد رہے کہ سچّی عبادت کا اثر کوئی معمولی اثر نہیں ہے۔ ایک حاکم کی خدمت کرنے سے اِنسان میں ایسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دُنیا کے بہت سے کام سنوار سکتا ہے۔ اور وہ تو جہان یعنی بہت ہی بڑی طاقت ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ سچے دِل سے اور کسی معقول طریقہ سے خدا کی عبادت کی جاوے اور کچھ اثر نہ ہو۔

در اصل عشق کا حملہ بیشتر بیشتر تو انسان اپنے لئے بہت مُفید سمجھتا ہے۔ لیکن جب کسی نشیلی چیز کی طرح یہ بیماری پیچھے لگ جاتی ہے تو کچھ مدّت بعد اِس کی تکالیف سے رُوحانی کمزوری حاصل کر کے اِنسان اپنے آپ کو میدان میں چاروں شانے چت پاتا ہے۔ اور بہت پچھتاتا ہے۔ لیکن اگر اِس بیماری نے اُس کے دماغی یا دیگر جسمانی پُرزے کمزور کر دئے ہوں

تو پھر کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ بیشک بعض خوش قسمت آدمی بہت جلد بھی سُدھر جاتے ہیں
اور یہ بیماری اُن سے چھوٹ جاتی ہے۔ لیکن تاہم جاتی ہوئی روح کے اندر ایک یادگار پیدا
کرجاتی ہے۔ خود پیدا کردہ بیماریوں میں سے یہ ایک خاص بیماری ہے۔ امیروں اور آزاد آدمیوں
کو زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ اِس بیماری کے دور کرنے کے لئے اور انتظام قائم رکھنے کے لئے
واعظان قانون نے طرفین کے لئے سزائیں تک مقرّر کی ہیں۔ ورنہ بہت ابتری واقع
ہوتی۔ عشق کے حملوں نے بڑے بڑے امیروں اور خاندانوں اور بادشاہوں تک کی
سلطنتوں کو غارت کر ڈالا ہے۔ اِس بیماری کی بیخ کنی کرنے کے لئے علم عبادت نہایت
مُفید ہے۔ اگر اتفاق سے یا بدقسمتی سے یہ بیماری لگ جاوے تو اپنے آپ کو نہایت سنبھل
کر رکھے۔ معشوق کے ناز و انداز و نزاکت و شوخی و بیوفائی کے پھندوں کو خیال کرتا رہے۔
بہت سے آدمی اِن پھندوں میں پھنسکر کُل مال و جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اور
تمام عُمر کے لئے دام نذویر میں پھنس کر گُھل گُھل کر اپنی جان دیتے ہیں۔ پس ہر وقت خبردار
رہے۔ معشوق خواہ کتنا ہی وفادار بنے۔ کتنی ہی ناز و ادا چکنی چپڑی باتیں بنائے۔ کتنا ہی
بناؤ سنگار دکھلائے۔ لیکن ثابت قدم وہی شخص کہلانے کے لائق ہیں۔ کہ جوان سب
افعال کو معشوق کے پھندے کی نہایت مضبوط رسّیاں سمجھ کر ان میں پھنسنے کی بجائے
اِن کو کاٹنے اور اِن کے توڑنے کی کوشش کرے۔ اِس طرح کہ نہ تو خود اس جال میں پھنسے
اور نہ دیگراں کو پھنسنے دے۔ اور معشوق کی بات کا قسم کا اُس کے افعال کا اُس کے ناز کا
انداز کا کبھی اعتبار نہ کرے۔ کیونکہ معشوق اپنے عاشق کا قاتل ہوتا ہے۔ اور جس طرح پاتا ہے
اوّل تو مال لیتا ہے۔ بے عزّت بناتا ہے۔ پھر جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ کہ میرا عاشق مرجاوے
تو میں اس کو اُڑاؤں اور خوب مزے سے کھاؤں۔ اور اپنے عاشق کو اپنی خوبصورتی ناز

نخرا شکل شباہت کی تلوار سے قتل کرتا ہے۔ اگر اِس کا عاشق بے جان یا بے زر مفلس ہو جاوے

تو پھر معشوق اُس کا مخول اُڑاتا ہے۔ اور طرح طرح سے اُس کو رُسوا کرتا ہے۔ بعض وقت

جذبہ عشق میں اِنسان پاگل ہو جاتے ہیں۔ اِس وجہ سے کہ اُن لوگوں کو عشق کی رُوحانی بیماری

ہو جاتی ہے۔ جو کہ اُن کو چند روز بعد ہلاک کر ڈالتی ہے۔ اِس لئے چاہیئے کہ اگر اِنسان خوش

قسمتی سے اپنا اچھّا خاندان اچھّا گھرانا۔ اچھّا کاروبار۔ روزگار بنانا و عزّت۔ حیثیت۔

علمیّت۔ جفاکشی۔ شجاعت کو بڑھانا چاہے تو ایک تو عشقیہ کتابیں۔ ناول۔ عشقیہ اشعار۔

عشقیہ باتیں۔ عشقیہ سوسائٹی کو ایک قلم بالکل ترک کرے۔ اور بھولے سے بھی ہرگز نام

مت لے۔ اور پری سے پری معشوقہ کو ایسا خیال کرے۔ کہ جیسے کُنجن کا پھل دیکھنے میں

کیسا سُرخ اور عُمدہ ہوتا ہے لیکن اُس کے اندر ایسی زہریلی خاک بھری ہوئی ہوتی ہے۔ کہ اگر

اِنسان اُس کو کھا جاوے تو نہایت سخت مُضر اثر پیدا ہو ۞

فصل دُوازدہم

ادب

ادب کرنا بھی ایک انتظامیہ فعل ہے۔ ایک دانا نے کہا ہے کہ حاکم کا اپنے ہر ایک رشتہ دار بزرگ کا۔ اپنے اُستاد کا۔ اور عموماً ہر ایک دانا کا۔ عالم کا۔ فیاض عام دولت مند کا۔ کامل فقیر کا۔ واعظان قانون کا بالضرور ادب کرنا لازم ہے۔ اگر ان سے کچھ تعلّق پیدا ہو جاوے تو نہایت ادب سے اُن سے کلام کرے۔ اگر اُنکا کام ہو اور کسی طریقہ سے یہ اُس کے انجام دینے کو فرمادیں تو حتےّ المقدور اگر اپنا کوئی خاص نقصان نہ ہو تو اُس کو انجام دے۔ اگر ان سے کسی کام کو انجام دلانا ہو نہایت منّت خوشامد سے

ان سے پیش آوے۔ اگر کسی مُعاملہ میں یہ ناراض ہو کر سخت کلامی کریں۔ نہایت تحمّل سے اُس کو برداشت کرے۔ اگر اپنے کسی فعل سے یہ خوش ہو جاویں تو اپنی خوش قسمتی سمجھے۔ بیشک بڑے آدمیوں کو خود آرائی کا خیال ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی نسبت نکتہ چینی کرنا لاحاصل ہے۔ کیونکہ اُن کو خداداد نعمت ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اِس لئے اُن کے مزاج میں خصوصیت ہوتی ہے۔ یہ لوگ جہاں پر اتفاقیہ مِل جاویں اگر کوئی خاص نقصان نہ ہو تو اُن کو سلام کرے۔ اگر یہ اپنے مکان پر آویں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اِن کو نہایت مُعزّز جگہ بٹھلاوے اور کوئی حرکت ایسی نہ کرے کہ اُن کو فضول معلُوم ہو۔ اگر اِن کے گھر جاوے تو نہایت ادب سے جو جگہ اپنے بیٹھنے کے لئے مناسب سمجھے اُس سے بھی کم درجہ کی جگہ بیٹھے۔ اور یہ اگر کسی دوسرے کام میں مصروف ہوں تو اُن کو اپنی طرف مخاطب کرنے میں جلد بازی نہ کرے۔ اور اگر اُس وقت موقع نہ ہو تو کسی دوسرے موقع پر اِن سے عرضداشت کرے۔ رشتہ دار۔ بزُرگ۔ اُستاد۔ دانا۔ عالم۔ فقیر۔ اگر غریب بھی ہوں تب بھی اُن کا ادب کرے اور اُن کی عزت کو اپنے دِل میں جگہ دے۔

بہت سے آدمی تہذیب کے پایۂ سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم کو کسی سے کیا غرض ہے کہ ہم کسی کا ادب کریں۔ بیشک اِنسان بذات خود آزاد ہے۔ لیکن آزادی کے کسی جُزو کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اِنسان غیر مہذّب ہو جاوے۔ اور ماں بہن عورت لڑکا لڑکی والدین دوست دشمن سب کو یکساں سمجھنے لگ جاوے۔ اور جن خیالات کو حاصل کر کے اِنسان دُنیا کی سب چیزوں کو یکساں سمجھتا ہے۔ جبکہ اُس کی حالت مجذوب کی سی ہو جاتی ہے۔ تو وہ منزل دوسری ہے۔ وہ منزل دنیاوی کاربار اور انتظام خانہ داری سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔ ورنہ خانہ داری میں رہ کر اِنسان کو طریقہ

مُلکی دُو دنیا دی بالضرور برتنا پڑتا ہے۔ پس تمام داناؤں کا یہ قول ہے کہ اِنسان کتنا ہی ہُشیار عقیل فہیم و دولتمند۔ عالِم۔ قابل۔ لایق۔ فایق۔ عہدہ دار۔ صاحب رُتبہ ہو جاوے۔ بالضرور قابل عزّت شخصوں کی حسب مقدور عزّت کرے۔ اور اُن کی حیثیّت کے مُوافق اُن سے سلوک کرے۔ تب ہی اِنسان دُنیا میں برخوردار کہلانے کے لائق ہو سکتا ہے۔

فصل سیزدہم

دوستی

دوستی کرنا یا ہونا بھی قدرتی ایک انتظامیہ فعل ہے۔ باپ۔ بیٹا۔ ماں۔ بھائی بہن جورُو وغیرہ یہ سب ہمدرد اور سچّے دوست ہیں۔ علاوہ اِن رشتہ داروں کے۔ ہم عُمر و ہم خیال و ہم رُتبہ و جنس بھی دوست ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ تو اس قسم کی دوستی اتفاقیہ ہو جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ اپنے ارادے سے یا طرف ثانی کے ارادے سے ہوتی ہے۔ بیشک اگر ہمدرد دوست ہو تو اُس سے اِنسان بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتا ہے لیکن یہ فائدہ اُس دوست سے حاصل ہوتا ہے کہ جو بذات خود چال چلن کا اچھا۔ اور شریف اور قابل اِنسان ہو۔ ایک دانا نے کہا ہے کہ دشمن۔ قیدی۔ قمار باز۔ چور۔ ٹھگ راستہ لوٹنے والا۔ جھوٹا۔ زناکار۔ زیادہ نشہ باز۔ دائمی بیمار۔ زیادہ مقروض۔ اِن سے دوستی رکھ کر نہ تو اِنسان کچھ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ نہ شریف ہو سکتا ہے۔ بلکہ خطرہ ہے کہ وہ خود ایسے آدمیوں کی صُحبت سے کسی افعال بد کا فاعل ہو کر خود کسی فعل بد کے شکنجہ میں گرفتار ہو جاوے۔ خواہ وہ کیسا ہی لایق مزاج اِنسان کیوں نہ ہو۔ پُرانے آدمیوں نے جو مثالیں قائم کی ہیں۔ بالکُل ٹھیک ہیں۔ اور ایسی صُحبت کا اثر بہت جلد

موثر ہوتا ہے۔ بڑے بڑے خاندان۔ ریاستیں۔ گھرانے۔ بڑے بڑے سادہ مزاج صُحبت
بد کی بدولت تباہ ہو گئی ہیں۔ اور اُن کی زندگی میں اُن کے ساتھ وہ فتور برپا ہوتے ہیں۔ کہ
جنہوں نے اُن کی زندگی کو نہایت تکلیف دیکر آخر میں نہایت بے عزّتی سے ہلاک کیا ہے۔
دراصل بد صُحبت ایک قسم کا ایسا زہر ہے کہ جو بتدریج پھیلتے پھیلتے تمام رُوحانی زندگی میں پھیل
کر انسان کی زندگی سے اُس آرام کو نکال کر (جو کہ اُس کو قدرتاً ملنا چاہیئے تھا) نہایت سخت
تکلیف کی حالت میں مُبتلا کر دیتا ہے۔ اور اُس کی عزّت حُرمت حیثیت روحانی و جسمانی
طاقت کو ملیامیٹ کر کے خاک میں مِلا دیتا ہے۔ اور لوگوں کی نظروں میں وہ آدمی ایسا
حقیر ہو جاتا ہے کہ عوام میں یا خاص میں اُس کی کوئی وقعت نہیں رہتی ہے۔ ایک عالِم کا قول
ہے کہ صُحبت سے بعض وقت اِنسان یا حیوان اپنے اصلی وجود کو بُھول جاتا ہے۔ اور
جیسے کہ مکان کی اور درخت کی جڑ میں کوئی ابتدائی نقص رہ جاوے۔ تو وہ نقص سوائے
مکان کو گرانے اور درخت کو کٹوانے کے دفع نہیں ہو سکتا۔ اِسی طرح دس دس پندرہ
پندرہ سالہ لڑکے اور لڑکیوں کا حال ہے۔ ان کی ابتدائی حالت میں اِن کو جو صُحبت میسّر
آوے گی اُسی رنگ میں رنگے جاویں گے۔ اور وہ رنگ اِن کے اوپر اُس پُختگی سے چڑھ
جاوے گا کہ لاکھ لاکھ تدابیر سے بھی نہ اُتر سکیگا۔ بالفرض اگر کسی کامِل اُستاد نے ہزار
کوشش سے اُتار بھی دیا تو اُس کی دھمک ہرگز ہرگز نہ جائے گی۔ اور خیال ہے کہ بہ نسبت
نیک صُحبت کے بد صُحبت کا اثر بہت جلد ہوتا ہے۔ کیونکہ بد صُحبت کی ابتدائی حالت
میں اِنسان طرح طرح کے لُطف پاتا ہے۔ دوستوں کی چہل پہل ہنسی مذاق طمطراق
کھانا۔ پینا۔ نشہ بازی۔ زِناکاری اُس کو بہت بھلی معلُوم دیتی ہے۔ اور ہر ایک بات میں
چالاکی سے کام لیتا ہے۔ بعد میں جب یہ سب اموُرات اُسکو تکلیف دیتے ہوئے اُس کے

سامنے سے گذرتے ہیں۔ تو اُس کو بدکردار پر پچھتانا پڑتا ہے۔ لیکن جو کچھ نقص ہو چکا اُسکا انسداد

اُس کے یا کسی دیگر شخص کے اختیار میں ہرگز نہیں رہتا۔ اور نیک صحبت کے اوّل میں بیشک

اِنسان کو کسی قدر آزادی سے محروم رہنا پڑتا ہے۔ اُس کو عیب اور شوق کرنے کی اجازت

بہت کم ملتی ہے۔ بلکہ اُس طرف سے اُس کو منع کیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان کا قدرتی مزاج

اُن افعال کی طرف زیادہ دوڑتا ہے کہ جن میں اُس کو فی الفور زیادہ لُطف حاصِل ہوتا ہے۔ اِسلئے

اُس کو اُس طرف سے رُکنے میں بہت گرانی معلوم دیتی ہے۔ بیشک بد صُحبت کا آخری اثر زہر

کے پودے کی مانند ہے۔ اور نیک صحبت کا اثر نہایت شیریں اور آبحیات چشمہ کے موافق

ہے۔ لیکن افسوس اُس بیچارے کو اِس قدر تمیز نہیں ہے کہ وہ اِس قدر نشیب و فراز پر اثر

ڈال سکے۔ اگر پرند کو خبر ہو کہ دانہ میں دام ہے تو وہ اُس کو چگنے کیوں جاوے۔ بیشک اِس سے

زیادہ افسوس تب ہے کہ اُس پرند کو کوئی شخص اِس امر سے مُطلع کردے کہ دانہ دام میں پڑا ہُوا

ہے۔ اور وہ پرند اُس نصیحت کو نہ مان کر دانہ کی لالچ سے دام میں پھنس جاوے۔ بیشک یہاں

پر تقدیر کا مسئلہ صادق آویگا۔ کہ ایک اِنسان کو سمجھایا جاوے۔ تنبیہ کیا جاوے۔ بہت ہی نیک

نیتی کے ساتھ بتوجہ تمام مُطلع کیا جاوے۔ مثالیں پیش کیجاویں کہ یہ راستہ بہت ہی خراب

ہے۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ جن اشخاص نے اُس راستہ کو اختیار کیا اُن کی آج

کیسی نکمّی حالت ہو رہی ہے۔ اگر پھر بھی وہ نہ مانے اور اپنی حالت و مُفید و مُضر افعال پر نظر کرکے

صُحبت بد سے پرہیز نہ کرے۔ تو اُس کی قسمت اور تقدیر ہے۔ دراصل تقدیر کا بھی کیا قصور ہے

بدکرداروں۔ نشہ بازوں۔ چال چلن کے خراب لوگوں۔ عیاشوں کی باتوں کا جال ہی ایسا ہوتا

ہے کہ نوجوان آدمی اُس میں جھٹ پھنس جاتا ہے۔ اِس کے مُقابلہ میں نیک آدمی کی صُحبت

ہرگز ہرگز تکلیف نہیں دے سکتی۔ جہاں اُس سے ہوسکیگا بھلا کرے گا۔ وقت مُصیبت حتی المقدور اگر

مناسب سمجھیگا مدد کریگا۔ افعال بد سے خبردار کریگا۔ اور اگر اُس کے امکان میں ہُوا تو افعال بد سے روکے گا۔ نیک صحبت سے عزّت دوبالا ہوتی ہے۔ جہاں اُس اِنسان کا ذکر ہوتا ہے اُس کی تعریف کیجاتی ہے۔ اور اُس کو شریف کہا جاتا ہے۔ عوام میں اُس کی بات کا اُس کے فعل کا اعتبار پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ ملازم ہے تو آقا کو اُسپر بھروسہ ہے اگر آقا ہے مُلازمان پر اُسکا رُعب ہوتا ہے۔ پس میری ایک خاص نصیحت ہے کہ خوش قسمتی سے اِنسان کے اندر اگر یہ خیال پیدا ہو جاوے کہ مُجکو دُنیا میں اپنی زندگی امن و آسائش سے کس طرح گذارنی چاہیئے اور خدانخواستہ بدصحبت سے جو مُجکو نقصان پُہنچ چکا ہے۔ جس سے کہ میری روحانی و جسمانی حالت کمزور ہوگئی ہے۔ تو اُسکو چاہیئے کہ وہ نیک اور مہاتماؤں کی شرن لے اور اُن کے آگے سچّے دِل سے اپنی تکلیف بیان کر کے صاف دلی سے اُن سے اس کا اِنسداد چاہے اور جب وہ مہربانی کر کے کچھ تبلادیں نہایت توجّہ سے اُس پر عمل کر کے اپنی زندگی کو درست کرے۔ اور خواہ کتنا ہی عالم۔ دولت مند۔ شہزور۔ صاحب رُتبہ ہو جاوے۔ اپنے دِل میں ہرگز غرور پیدا نہ کرے اور دنیا میں حسب مقدور نیکی پھیلا کر اور نیک نام پیدا کر کے آخر میں نجات کا مستحق ہو +

فصل چہاردہم

رحم

بعض دفعہ اِنصاف اور رحم کا مسئلہ نہایت قابل بحث ہو جاتا ہے۔ اور بڑی باریک بحث کرنی پڑتی ہے۔ اور فیصلہ نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ بھنیس کے جسم میں کیڑے پڑ گئے مالک چاہتا ہے کہ ہزارہا کیڑوں کو ایک دم میں فنا کردیا جائے۔ کیڑوں کی طرف سے

انصاف مقتضی ہے کہ کیڑوں کو کس قصور پر تکلیف دیکر ہلاک کیا جاوے۔ اگر بھینس خدا کا بنایا ہوا جانور ہے تو کیڑے بھی اُسی خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ اگر جواب ملے کہ اُن کو نکال دیا جاوے۔ تو اُن کا نکالنا ہی اُن کی ہلاکت کا باعث ہے۔ اگر جواب ملے کہ زخموں میں کیڑوں کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔ تو اعتراض پیدا ہو گا کہ کیڑوں کے ہلاک ہوتے وقت کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ اگر کہا جاوے کہ بھینس تو دودھ دیتی ہے۔ کیڑے کیا دیں گے تو پھر مالک نے دودھ کے لئے ہزارہا جانوروں کو بے قصور ہلاک کر دیا اس سے زیادہ خودغرضی کیا ہو گی۔ اور ایک قسم کی سخت بے انصافی ہے۔ اگر کہا جاوے کہ بھینس تو دُنیا میں اور بہت سے کام سنوارتی ہے۔ کیڑے کیا کام سنوارتے ہیں۔ تو کیا خداوند کریم دُنیا میں کسی فضول چیز کو بھی پیدا کرتا ہے۔ گویا خدا کی طرف سے کیڑوں کا پیدا کرنا فضول فعل ہُوا۔ لیکن خُدا کے ماننے والے فرقوں میں سے یہ مجال کس کی ہے۔ جو اس بات کو زبان پر لاوے۔

در اصل رحم کرنا ایک خاص حالت ہے۔ جس کا صرف انسانی طبیعت سے تعلق ہے۔ از قسم مُعاملات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر رحم کا ذکر دو جگہ بہت ہوتا ہے۔ جس میں بحث شروع ہوتی ہے۔

اوّل - لڑائی۔ بمراد جنگ مُلکی۔

دوم - گوشت خوری۔ جس میں قربانی وغیرہ سب شامل ہیں۔

ذکر اوّل کی نسبت یہ بات ہے۔ بعض وقت انتظام شاہی میں بغیر لڑائی کئے لڑائی کرنے سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے فوجی مُلازمان کو شاہی حُکم پاکر جان توڑ کر لڑنا پڑتا ہے۔ پس وہ ایک ایسی صورت اور حالت ہے۔ کہ وقت اور موقع دیکھ کر قابل آدمی (جو کہ اُس کے طرایق اور رموز سے واقف ہو) رائے زنی کر سکتا ہے۔ کہ کون سا موقع جنگ

کرنے کا ہے اور کونسا موقع جنگ سے ہٹنے یا باز رہنے کا ہے۔

ذکر دوم۔ بیشک تشریح طلب ہے۔ اور اگرچہ اِس مسئلہ کا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہے لیکن اِس مسئلہ پر مذہبی بحث بھی بہت کچھ ہوتی ہے۔

دراصل۔ علم طبابت سے (جس سے اِس مسئلہ کا خاص تعلق ہے) ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کی خوراک نباتات (جس میں اناج وغیرہ سب شامل ہیں) ہے۔ اور اسی نباتات پر حیوانی زندگی کا دارومدار ہے۔ باقی سب تکلّف ہے۔ قدرتی طور پر جس طرح کہ انسان ایک جاندار شے ہے اُسی طرح دیگر جاندار ہیں۔ جماع کرنا۔ کھانا۔ پینا۔ سونا چلنا پھرنا۔ محبّت کرنا۔ جیسے کہ انسان میں ہے ایسا ہی یا اِس سے کسی قدر کم وبیش دیگر حیوانات میں ہے جس طرح انسان زندگی بسر کرتا ہے اُسی طرح دیگر حیوانات کرتے ہیں۔ پھر کوئی دلیل ایسی نہیں ہے کہ خاص حضرتِ انسان جن کو فہم و ادراک کا مادہ سب جانداروں سے زیادہ عطا ہوا ہے اُن کا گلا گھونٹ کر کسی طریقہ سے اُن کو کھا دے۔ اور اُس کو مارتے وقت جو تکلیف ہوتی ہے اُس کا کچھ خیال نہ کرے۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ گوشت خوری کا رواج اُن اہلِ ہنود کی پُرانی کتابوں میں بھی صاف پایا جاتا ہے کہ جو آجکل گوشت خوری سے بالکل نفرت کرتے ہیں۔ اور گوشت خوری کو گناہ سمجھتے ہیں۔ اور بلکہ اپنی پُرانی کتابوں میں سے گوشت خوری کا دھبّہ مٹانے کے لئے اُس عبارت کے لفظی معنے بدل کر فضول دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری پُرانی کتابوں میں گوشت خوری کا رواج نہیں پایا جاتا ہے۔ لیکن اگر سوچا جاوے تو ایک بلند خیال آدمی کے نزدیک بہ حیثیت منصف مزاجی کُل گوشت خواروں کے ساتھ یکساں بحث ہوگی۔ خواہ وہ کسی مذہب کسی فرقہ کسی سوسائٹی اور کسی مُلک کے ہوں۔

گوشت خوری یا گوشت فروخت کرنے کے ارادے سے جس وقت جانور چرند یا

پرند کی گردن پر چھری چلتی ہے۔ اور وہ جانور نیم مردہ ہو کر اپنے قصّاب سخت جگر کے آگے تڑپتا ہے اُس وقت کون ایسا دل ہو گا کہ جس کے دِل میں اُس کی تکلیف کو دیکھکر رحم نہ آتا ہو۔

کاش کسی مُلک میں کسی قسم کے ایسے حیوان یا اِنسان ہوں کہ جو حضرتِ اِنسان کے جسم کا گوشت کھانا پسند کرتے ہوں اور وہ حضرتِ اِنسان کو پکڑ کر ذبح یا قتل کرنے لگیں۔ اور اِنسان کی بولی وہ نہ سمجھتے ہوں۔ اور جس وقت اِنسان کے گلے پر چھری چلنے لگے تو اُس وقت ایک رحمدِل سے رحمدِل اور منصِف سے منصفِ مزاج آدمی کو اپنی کانشنس سے شہادت لینی چاہیئے کہ اُس وقت اُس کے دِل پر کیا گذرتی ہو گی۔ بارہا دیکھا گیا بعض دفعہ بیوُقوف نہیں بلکہ بڑی بڑی سمجھ کے دانا۔ حکیم۔ بُزرگ۔ دولت مند۔ عقلمند کسی مذہبی فروعات کو پُورا کرنے کے لئے دیوی۔ دیوتوں۔ یا خدا یا کسی دیگر اُوتار یا پیغمبر کی روح کو خُوش کرنے کے لئے کسی غریب جانور کا گلا کاٹ کر اور اُس کو تڑپا تڑپا کر مار کر کہتے ہیں کہ یہ فعل ہمارا دیوی دیوتا اور خداوند کو خوش کرنے کے لئے ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کس کانشنس اور کس دلیل اور کس خوبی سے اِس بات کو اپنے دِل میں سماتے ہیں۔ کہ کیا کسی ایک یا بہت سے جانوروں کو تڑپا تڑپا کر مار کر کوئی اولیا۔ پیغمبر۔ دیوی دیوتا۔ خُداوند کریم جس کے یہاں رحیم کا منبع ہے جس کو ہندو لوگ دیا دان کہتے ہیں۔ کس طرح خُوش ہو سکتا ہے۔

گوشت خواری کی طرف سے یہ اظہار صفائی۔ کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اُس کی تکلیف کا گُناہ ذابح کو ہوتا ہو گا۔ ہم تو بنا بنایا گوشت لا کر کھاتے ہیں۔ بالکُل ناکافی ہے کیونکہ گوشت خوار خود اپنی کانشنس سے شہادت لے رہا ہے کہ ذابح نے گوشت خوار کی

کے لئے جانور کو ذبح کیا ہے۔ مثلاً زید جو کہ جانتا ہے کہ بکر چوری پیشہ ہے اور وہ خالد کا مال چُرا کر میرے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ اگرچہ زید چوری کرتے وقت بکر کے شامل نہیں ہے اور بکر صرف زید کے ہی تحریک دلانے سے (جس کے معنے یہ ہیں کہ زید بکر سے ہمیشہ دانستہ چوری کا مال اپنی نفس پروری کے لئے لیتا ہے) چوری پیشہ کرتا ہے۔ اِس حالت میں زید اور بکر دونوں مُجرم ہیں۔

بیشک مذہب کی فروعات اِنسان کے دِل کو مضبوط بنا دیتی ہیں۔ کہ بعض فعل کو ایسی صُورت میں بھی مُکمّل طور پر انجام دیدیتا ہے۔ کہ جن کے نہ کرنے پر اُسکو اُسکی کانشنس مجبور کرتی ہو کیونکہ وہ بوجہ اپنے روحانی ضُعف کے چاروں طرف سے ایسا گھرا ہوا ہوتا ہے۔ کہ فروعات کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکالنے کی مجال نہیں سمجھتا۔ حالانکہ وہ دولت مند۔ عقلمند۔ شُجاع۔ بہادر اور ہر ایک مُعاملہ میں اپنے آپ کو طاقتور سمجھتا ہے۔ لیکن افسوس کہ مذہبی فروعات کا دباؤ اُس کی ہر ایک صفت کو چھپا کر مجبوراً اُس سے ایسے سینکڑوں فعل کراتا ہے۔ کہ جو سراسر اُس کے حق میں۔ اُس کے بھائیوں کے حق میں۔ اُس کی اُولاد اور اُس کے دیگر متعلقین کے حق میں۔ پبلک کے حق میں۔ جانداروں کے حق میں۔ سراسر نقصان دہ ہیں۔ حالانکہ ایسے شُجاع اور بہادر اور عقلمند۔ دَولت مند کو مناسب تھا کہ وہ انصاف کی تلوار ہاتھ میں لیکر تمام ایسی باتوں کو نہائیت دانائی اور ہشیاری سے بتدریج قطع کرے کہ جو اُس کی نظروں میں بُری اور نقصان دہ دکھلائی دے رہی ہیں۔ گوشت خواری کی طرف سے یہ الزامیہ جواب کہ اِنسان پانی دہوا کے ذریعہ سے سینکڑوں چھوٹے چھوٹے جانور کھا پی جاتا ہے۔ حالانکہ اِنسان کو اُن کے کھائے جانے کا علم ہے۔ اور اُن جانداروں کو بالضرور تکلیف ہوتی ہے جبکہ

وہ اِنسان سے ہم میں پچکر مرے ہیں۔

بیشک ایسا ہوتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ننھے جاندار مادہ کا ہوا اور پانی وغیرہ میں موجود ہونا اور کسی ترکیب سے اُن کا علیحدہ نہ ہونا ایک قدرتی انتظام ہے۔ اور حتی المقدور اپنی جان کو صحیح سلامت اور محفوظ رکھنا ہر ایک اِنسان و حیوان کا فرض ہے۔ اور جبکہ بغیر پانی اور ہوا انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور نہ جاندار مادہ کو کھانے یا ہلاک کرنے کی غرض سے پانی اور ہوا کو استعمال کرتا ہے۔ اور کوئی بدنیتی اِنسان کی طرف سے اِس امر کی نہیں پائی جاتی کہ جو اُس جاندار مادہ کی ہلاکت کا باعث ہو۔ تو جبکہ اِنسان نیک نیتی سے قُدرتی چیزوں کا استعمال کر رہا ہے۔ تو ایسی صُورت میں قدرتی طور پر کوئی جاندار مادہ جس کو وہ خوردبین سے بھی معلوم نہیں کر سکتا اُس کے اندر چلا جاوے کوئی گناہ نہیں ہے۔

دوسرے یہ خیال کہ اگر اِنسان کو گوشت خوری کی مشق نہ ہو تو وہ بموقع جنگ مُلکی جنگ کرنے کے قابل سخت دِل نہیں رہتا۔ بھی مضبوط نہیں ہے۔ کیونکہ بعض نہایت معمولی قومیں مثلاً چمار۔ بھنگی۔ کھٹیک۔ چڑکٹے۔ بنگالے وغیرہ دِن رات کچّا گوشت کھاتے ہیں لیکن بموقع جنگ مُلکی جنگ کرنا تو درکنار۔ دس دس کوس تک جنگ کے پاس جانے میں اُن کا پیشاب خطا ہوتا ہے۔ اِس لئے دراصل مُلکی جنگ کرنا گوشت خوری پر منحصر نہیں ہے بلکہ جنگ کی مشق کے تعلق ہے۔ جیسے فوج قواعد داں ہوگی ویسا ہی کام کرے گی۔

ہر قسم کے بیضہ کا کھانے کے لئے استعمال کرنا بھی ایک قسم کی گوشت خواری ہے۔ خواہ اُس میں اب تک جان نہ ڈلی ہو۔ کیونکہ واعظان قانون کے نزدیک جیسے کہ اِسقاط حمل بمقابلہ قتل اِنسان کے جُرم ہے۔ ایسا ہی یہ ہے۔

زہردار جانور مثلاً سانپ۔ تتیا۔ بھڑ وغیرہ اگر ایسی جگہ میں ہوں جہاں کسی اِنسان کے

ہلاک ہونے یا اِنسان کو ایسی تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو کہ جس سے اِنسان بیتاب ہو جاوے تو بالضرور اِس طور پر مار ڈالنا چاہیئے۔ کہ جس سے اُس کو زیادہ دیر تک تڑپایا نہ جاوے +

مُقالہ دوم

جسمانی زندگی

جِس میں بارہ فصلیں ہیں

فصل اوّل

حالت حمل

واضح ہو کہ جب مرد اور عورت کی منی بحالت صحت رحم میں داخل ہوتی ہے۔ بوقت اِستقرارِ حمل رحم کا مُنہ بند ہو جاتا ہے۔ اور اُس میں قدرتی قواعد کے مُطابق ایک امتزاج پیدا ہوتا ہے۔ اور اُس میں چار نُقطے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دِل کا ایک دِماغ کا۔ ایک جگر کا ایک آلاتِ تناسل کا اور خُونِ حیض بند ہو جاتا ہے۔ جو کہ بچّہ کی پرورشی غذا بنتا ہے۔

اِس کو حالت اوّل کہتے ہیں۔ یہ سات روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعد میں اِن چاروں عضو کے نشان ہوجاتے ہیں۔ اِس کو حالتِ دوم کہتے ہیں جو کہ چار روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعد ازاں اِن چاروں کے اوپر غلاف پیدا ہوتا ہے۔ اِس کو حالتِ سوم کہتے ہیں۔ چھ روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعدازاں تمام دیگر اعضا بننے شروع ہوتے ہیں۔ اِس کو حالتِ چہارم کہتے ہیں۔ یہ چالیس روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعدازاں لڑکا یا لڑکی کے نشان پیدا ہوجاتے ہیں۔ اِس کو حالتِ پنجم کہتے ہیں۔ یہ بھی چالیس روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعدازاں رُوح ڈل جاتی ہے۔ (یا اپنی امتزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ مُعاملہ زیرِ بحث ہے۔ کہ رُوح کس طرح ڈلتی ہے) اِس کو حالتِ ششم کہتے ہیں۔ دو ماہ میں تمام ہوتی ہے۔ بعد میں پرورش ہوتی ہے۔ اور تمام جسم کی تکمیل ہوتی ہے۔ اِس کو حالتِ ہفتم کہتے ہیں۔ یہ قریب چار ماہ میں تمام ہوتی ہے۔ بعدازاں حرکت ہوتی ہے۔ اگر سب طرح تندرستی ہو تو بچہ صحیح وسالم باہر آجاتا ہے۔ جس وقت بچہ باہر آجاوے نہایت نرم کپڑے سے اُس کا بدن پونچھ دیویں رحم کے اندر سے جو آلائش نکلے اُس کو باہر جنگل میں لے جا کر دفن کردیں یا پھونک دیویں۔ اور قریب چھ گھنٹہ بعد بچہ کو نہایت تھوڑے تھوڑے نیم گرم پانی میں آہستہ آہستہ نہلا دیں +

فصل دُوم

پیدائش

جب بحالت صحت بچہ پیدا ہوجاوے اُس کو نہایت حفاظت سے رکھیں بعض خود غرض انسانوں میں بہ رواج قومی یا مُلکی یہ خیال ہے کہ لڑکے کے وجود کو لڑکی کے وجود پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور لڑکے کے وجود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور بمقابلہ

لڑکے کے لڑکی کے پیدا ہونے سے اوّل تو ناخُوش ہوتے ہیں۔ دُوم اُس کی پرورِش حِفاظت کھانا پینا اچھّی طرح نہیں کرتے۔ پیشتر زمانہ میں دُختر کُشی کا رواج تھا کہ لڑکی کو پیدا ہوتے ہی پوشیدہ طور پر ہلاک کر دیا کرتے تھے لیکن جب سے انگریزی سلطنت کی عملداری ہوئی ہے۔ اِس رواج کی بیخ کنی ہو گئی۔ تاہم بہ دِل سے چاہتے ہیں کہ کچھ اسباب ویسے ہو جاویں کہ جن سے لڑکی مر جاوے۔ افسوس یہ خیال رَدّی اور پُوچ ہونے کے علاوہ مُلکی ترقّی اور سلسلہ نسل کو بہت ہی سخت نقصان پہنچانے والا ہے اِس خیال کے آدمی کو یہ خیال مُطلق نہیں ہوتا کہ اگر لڑکیاں اور عورتیں نہ ہوں تو سلسلۂ نسل کِس طرح قایم رہے۔ دراصل وہ شخص لڑکی سے آزردہ خاطر نہیں بلکہ اپنے اُس آرام اور آسائش کو خیال کر کے اُس خیال کے خلاف ہے۔ کہ جو اُس کو لڑکا پیدا ہونے سے ہوتا۔ رنڈیوں کے یہاں جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اُن کو نہایت خُوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُن کا وہی ذریعہ وجہ مَعاش ہے۔ بھینس کے شکم سے جب کٹڑی پیدا ہوتی ہے بھینس والا خُوش ہوتا ہے۔ جب کٹڑہ پیدا ہوتا ہے ناخوش ہوتا ہے۔ مُرغی کے انڈوں سے جب مُرغ نِکلتے ہیں تو مالک انڈہ ایسا خُوش نہیں ہوتا جیسے مُرغیوں کے نِکلنے سے ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بیشک ہر ایک اِنسان کے اندر سے خُود غرضی کا خیال قطع ہونا بہت ہی مُشکل امر ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک قابِل اور بلند خیال آدمی ہر وقت خود غرضی کے مرض میں گرفتار ہو کر جائز ناجائز کی تمیز نہ رکھتا ہُوا اندھا ہو کر ظُلم پر آمادہ ہو اِس لئے چاہیئے کہ خواہ لڑکی پیدا ہو یا لڑکا سب کو آرام دینے اور پرورِش کرنے کے خیال سے بچّوں کی پرورش کرے۔ اور اُنکی تکالیف کے اِنسداد میں حتے المقدور روپیہ پیسے کی زیادہ پرواہ نہ کرے۔ اُن کی سردی گرمی نہلانے دُھلانے کا ہر وقت خیال رکھے۔ زیور پہنانے کی

جہالت کچھ تو دُور ہو گئی ہے۔ اور جوں جوں روشنی کا زمانہ آتا جاویگا دور ہوتی چلی جاویگی۔ جہانتک ہو بچّہ کو غذا نہایت لطیف دیوے اور پانچ سال تک کسی بات کے سکھلانے کی تکلیف نہ دیوے۔ اور بعد پانچ سال کھلانے پلانے بیٹھنے اُٹھنے زبان سے ٹھیک الفاظ بولنے کے لئے وَقتاً فوقتاً اِشارہ کرتا رہے زیادہ رونے نہ دیوے سات سال کی عُمر سے سَلیقہ سے اُٹھنا بیٹھنا ہنسنا بولنا ادب کرنا وغیرہ سکھلا دے۔ جب لڑکے کی عُمر ٹھیک بارہ سال کی ہو جاوے تو اُس کو اپنی رائے اور ضرورت کے مُطابق کسی لائق اُستاد کے سُپرد کرے پندرہ سال تک چار گھنٹہ روزانہ تعلیم دے۔ بعد میں پچیس سال تک جیسے اعضا اور قویٰ ہوں تعلیم دیتا رہے؛

فصل سوم

تسلسُل اولاد

ہمارے مُلک میں تسلسُل اولاد کے لئے لڑکے اور لڑکی یا نوجوان مرد و عورت کے باہمی تعلقات کا پیدا کرنا بزرگوں کی رائے سے انجام پاتا ہے۔ سابقہ عالمان نے قرار دیا ہے بوقت پیدا کرنے تعلّقات از قسم مذکورہ بالا مرد کی عُمر کم از کم ۳۵ سال اور عورت کی عُمر ۲۵ سال ہونی چاہیئے۔ لیکن آجکل تو اِس عُمر میں مرد و عورت کے جسم کے اندر ایک طرح کا بُڑھاپا آجاتا ہے۔ اِس لئے موجودہ عالمان نے زمانہ کی تاثیر کے مُطابق لڑکے کی عُمر بوقت شادی ۲۱ سال و لڑکی کی عُمر ۱۶ یا ۱۷ سال ہونی چاہیئے ایک دوسرے عالِم کی رائے ہے کہ لڑکے کی عُمر کم از کم ۱۸ سال و لڑکی کی عُمر ۱۵ سال کی ہونی مُناسب ہے۔ کیونکہ کسی علم کی رو سے اِس عُمر سے کم میں لڑکے یا لڑکی کے نُطفہ

انسان کو پختگی حاصل نہیں ہوتی اور نہ اُس کا قوام درست ہوتا ہے۔ اور میری رائے میں بھی کم از کم لڑکے کی عُمر ۱۸ سال اور لڑکی کی عمر ۱۵ سال ہونی مناسب ہے۔ اِس سے کم عُمر میں شادی کرنا اُس کی آئندہ جسمانی ترقی اور اُس کے اعضا کے بڑھنے کو روک دینا اور اُس کے اعضائے رئیسہ کو بیکار بنانا ہے۔ رہا اِس سوال کی بابت کہ آجکل بارہ بارہ تیرہ تیرہ سال کے بغیر شادی آپس میں مِلکر ایسی خرابیاں کرتے ہیں کہ اُن سے طرح طرح کے امراض میں مُبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ بیشک یہ سوال معقول ہے۔ اور اِسکا انسداد اور اِنتظام تب ہی ہو سکتا ہے۔ کہ والدین اور اُستاد لڑکے کو دس گیارہ سال کی عُمر سے ایسے قواعد سے محفوظ رکھیں کہ جو اُس کا چال چلن درست رکھنے کے لئے لازمی ہیں۔ ورنہ اِس طرح سلسلہ بڑھتے بڑھتے تو ایک دِن پانچ پانچ سالہ لڑکے لڑکیوں کی شادی کرنی پڑے گی۔ لڑکے کی پابندی یہ ہے کہ بارہ سال کی عُمر کے بعد لڑکے کو کسی عیاش آدمی کے پاس پھٹکنے نہ دیں۔ اور نہ عشقیہ مضامین اور اشعار وغیرہ سکھلاویں اگر یہی مکمل اِنتظام رہے تو مجال کیا ہے کہ لڑکے کو چوبیس سال تک کوئی خرابی پہنچ جاوے یا کسی طرح سے اُس کی طبیعت کسی قسم کی بدفعلی کرنے کی طرف مائل ہو۔ اگر ایسا اِنتظام نہیں ہو سکتا ہے تو یہ لڑکے اور لڑکی کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ منتظمان کے اِنتظام میں کمی ہے۔ پس اگر قواعد مذکورہ بالا کے طور پر حفاظت ہو جاوے تو لڑکے کا رشتہ ٹھیراویں۔ ہمارے خیال میں اگر لڑکے اور لڑکی کو شادی یا رشتہ ٹھیرانے سے پیشتر آپس میں دکھلایا جاوے تو ایک طرح کی خرابی بھی ہو کہ بدشکل لڑکے اور لڑکیوں کے رشتہ قایم ہونے میں مشکل ہو جاوے۔ اور یہ سہولیت بھی رہے کہ تمام عُمر اِس امر کا افسوس بھی رفع ہو جاوے کہ ہمارے والدین نے مجبوراً ہمارے ساتھ ایسا کیا ہے۔

لڑکے کو واجب ہے کہ جب اُس کی بیوی اُس کے گھر آوے اُس کے ساتھ
ہمیشہ نہایت عزّت اور ہمدردی اور پیار اور مُحبّت سے سُلوک کرے۔ اور اُس کا
مزاج نہایت اچھّا بنانے کی کوشش کرے۔ اگر لکھنا پڑھنا جانتی ہو تو خیر اگر نہ
جانتی ہو تو اُس کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور اُس کو لکھنا پڑھنا سکھلوانا چاہیے
تو سکھلوا دے۔ اگر گھرانہ غریب ہو تو آپس میں دونوں کو مِلکر نہایت قبیلداری کی طرح
زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ معمُولی کھانا کپڑہ مکان وغیرہ اُسی انداز کا بنانا چاہیئے کہ جس قدر
اُس کو اپنی روزی سے مُیسّر آتا ہو۔ بازار سے اِس قدر اُدھار لینا کہ جس کے ادا کرنے
میں مُشکل پڑے بازار کا تقاضا اُس کا جینا مُشکل کر دیتا ہے جس قدر روزی سے ملے اُسی
قدر گذارہ کرتا رہے۔ ایک دو آسُودہ آدمیوں سے رَبط ضبط رکھے ممکن ہے کہ کبھی
بیماری مقدمہ یا کسی اور مُصیبت میں تھوڑی بہت مدد کر دیں۔ حُکّام کی خدمت میں بھی سلام
مُجرا کرتا رہے۔ نہ معلُوم کس وقت رحم کر کے کیا فائدہ پہنچا دیں۔ اور حُکّام سے
رسُوخ کر کے مُقدمہ بازی کا شوق نہ کرے۔ کیونکہ فضُول مُقدمہ بازی بھی ایک
قسم کا عیب ہے۔ اپنے بادشاہ وقت کی عزّت کو اپنے دِل میں خصوصیّت کے
ساتھ جگہہ دے۔ خصُوصاً ایسے رحم دِل اور اِنصاف پسند لایق فایق بادشاہ کی
جیسی کہ ہماری گورنمنٹ عالیہ ہے۔ جس کے عہد مُبارک میں ہر ایک فردِ بشر کو
وہ امن حاصِل ہو رہا ہے کہ جو ہزارہا لاکھا سال گذشتہ میں کسی دیگر راجہ مہاراجہ بادشاہ
یا فرمانروا کی طرف سے عنایت نہیں ہُوا ہے۔ اگر گھر میں آسُودگی ہو تو اچھّا کھانا
کپڑہ مکان بہت کم مقدار میں معمُولی زیور مُہیّا کرے۔ اپنی حیثیت کے مُوافق جس جایز
چیز کی ضرورت ہو اُس کو پوری کرے۔ اپنی عورت سے جماع کرنے کے شوق

سے جماع نہ کرے۔ بلکہ اولاد پیدا کرنے کے خیال سے جماع کرے (ملاحظہ ہو بیان جماع جو کہ آئندہ اوراق میں درج ہے) اسی طرح اپنی منکوحہ بیوی سے تمام عمر زندگی بسر کرے۔ اگر بیوی طبیعت کے موافق خوبصورت نہ ہو۔ تو کچھ خیال نہ کرے۔ کیونکہ وہ کوئی بازاری رنڈی نہیں ہے۔ وہ تو گھر کا وزیر ہے۔ جس کو دیگر صفات سے موصوف ہونا چاہیئے۔ اتفاقاً اگر بیوی مر جاوے اور دوسری شادی مہیا ہو سکتی ہو دوسری شادی کر لے اگر پہلی بیوی سے کچھ بچے ہوں تو حتے المقدور اُن کو اپنے سامنے نہایت حفاظت سے رکھے۔ کیونکہ بہ نسبت بچہ کی اصلی ماں کے دوسری یا سکیلی والدہ کو بہ نسبت اپنے لڑکے کے بہت کم پیار ہوتا ہے۔ اگر استری کا خاوند مر جاوے تو ہمارے خیال میں اسی طرح اُس کے لئے بھی حق ہے کہ وہ بھی اُسی طرح دوسرے خاوند سے شادی کرلے۔ بیشک پابندی مذہب اِس امر کی سخت مانع ہے اور اسی وجہ سے ہزارہا لاکھا ایک ایک سال سے لیکر دس دس بارہ بارہ پندرہ پندرہ سالہ بیوہ لڑکیاں بغیر پانی کی مچھلی کیطرح تڑپ رہی ہیں۔ اور اُن کی طرف سے کوئی شخص بخیال رحمدلی اتنا لفظ بھی زبان سے نکالدے کہ بدھوا یا صرف بال بدھوا بواہ کرنا واجب ہے تو سینکڑوں بڑے بڑے معقول آدمی مذہب کے گھوڑے پر سوار ہو کر سینکڑوں طرح سے اُس کو اذیت پہنچانے کا باعث ہو جاتے ہیں اور اُس کو ناستک لامذہب کرسٹان کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ لیکن اُس شخص کو خیال کر لینا چاہیئے کہ یہ زمانے کی شکل ہے اور اُن بیچاری غریب اور معصوم ناکردہ گناہ لڑکیوں کی تقدیر ہے کہ جس کی وجہ سے رحمدل قوموں کے انصاف اور رحم سے اُن بیچاریوں کو تمام عمر کے لئے سخت سزا دیگئی ہے جن کا بڑا عذر یہ ہے کہ جب ہماری مذہبی کتابوں درسم ورواج کی رُو سے منع ہے تو ہم بیوہ کی دوبارہ شادی

کس طرح کر دیں لیکن اگر کوئی شخص اُن سے یہ دریافت کرے کہ آپ لوگوں کو افعال ظالمانہ کی بیخکنی کرنی لازم ہے یا نہیں تو سوائے اِدہر اُدہر کی باتیں مِلانے کے اور کوئی معقول جواب نہ دیسکیں اِس دوسری معقول دلیل پر بھی خیال کیجئے کہ جو پیش ہوتی ہے۔ کہ اگر نوجوان لڑکی کا خاوند مر گیا ہے تو چونکہ اُس لڑکی نے پچھلے جنم میں گُناہ کئے تھے کہ جس کی وجہ سے اُس کا خاوند مر گیا اِس لئے اُس کے پچھلے جنم کے گُناہ کا عیوض دلانے کے لئے اُسکی دوبارہ شادی نہ کرنی چاہیئے۔ تو ہمارے خیال میں اِس طرح تو ہر ایک موقع پر یہی سمجھ لینا چاہیئے۔ ایک اِنسان کو تپ دِق کا مرض ہو رہا ہے۔ دوا حکیم تجاویز عِلاج مُعالجہ سوچنے کی کیا ضرورت ہے یہی سوچ لیا کہ اِس کے پچھلے جنم کے گناہوں سے اِس کو تپ دِق ہو گیا ہے جب پچھلے جنم کے گُناہ کی سزا پا لیویگا خود ہی تپ دِق دُور ہو جاوے گا۔ آفریں ہے ایسے عالم اور مُعاملہ رس اور فہمیدہ اور عاقل کے خیالات پر۔ تیسری دلیل کہ لڑکی کا سنکلپ گویا اقرار ہبہ لڑکی کا والد صرف ایک ہی دفعہ کر سکتا ہے دُوسری دفعہ نہیں کر سکتا۔ گویا لڑکی بمشابہ ایک زمین یا دیگر اسباب گھاس پھوس وغیرہ کے ہے۔ نہیں معلوم اِنسان کو خیرات کرنے کا سِلسلہ اور پھر اُس خیرات کردہ اِنسان کی تکالیف کا عدم اِنسداد کب سے جاری ہُوا ہے اور کب تک رہیگا +

فصل چہارم

صفائی

صفائی رکھنا بھی اِس قسم کا ایک اِنتظامیہ فعل ہے۔ کہ تمام عمر تک طبیعت خُوش رکھنے اور ہزارہا بیماریوں سے محفُوظ رکھنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ انگریز لوگ

اِس قدر روپیہ کسی اَمر کو پُورا کرنے میں صَرف نہیں کرتے کہ جس قدر صَفائی رکھنے میں خرچ کرتے ہیں۔ اِسی وجہ سے خُوش اور تندرست رہتے ہیں۔ صَاف کھانا۔ صَاف مکان۔ صَاف جسم وغیرہ ہر وقت رکھنے چاہئیں۔ بعض کاہل مزاج آدمیوں کی حالت نہایت قابلِ افسوس ہے کہ جو صفائی نہ رکھکر طرح طرح کے اِمراض میں گرفتار ہو جاتے ہیں کپڑہ صَاف نہ رکھنے سے کُھجلی اور داد کی بیماری بہت جلد ہو جاتی ہے۔ کھانا صَاف نہ کھانے سے بدہضمی کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ مکان صاف نہ رکھنے سے ہیضہ زُکام۔ نزلہ وغیرہ کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مکان کے اندر سڑا ہُوا نالہ اَناج اور دیگر قسم کی مٹی اندر رکھنے سے بُخار اور از قسم تپ دِق کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور تمام گھر کے لوگوں کی صحت بگڑ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کھانا۔ کپڑہ۔ مکان وغیرہ خواہ غریبانہ طور پر ہو۔ لیکن بالکل صاف ہونا چاہیئے۔ کسی چیز کا زیادہ قیمتی ہونا دوسری بات ہے صَفائی ہونا دوسری بات ہے۔ پانی اور ہوا نہایت صَاف ہو گدلا اور زیادہ باسی اور بدبُو دار اور کرم دار پانی پینے سے ضُعف معدہ اور ضُعف امعا کی کئی قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ خراب اور بدبُو دار ہوا لینے سے سِل و پھیپھڑوں کی کئی قسم کی دیگر بیماریئیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک ہو جسم کو بھی ہر قسم کی مَیل کُچیل سے بالکل صاف اور موسم کا لحاظ رکھ کر کپڑوں سے ڈھکا ہوا رکھنا چاہیئے۔ اگر مکان کے صحن میں حسبِ حیثیت مکان کچھ پودے اور پھول لگے ہوئے ہوں تو نہایت مُفید ہیں۔ مکان خواہ مٹی کا ہو یا اینٹ چُونہ کا ہو صَفائی ہر دو میں یکساں ضروری ہے۔ بہ لحاظ ہوا داری نیچے کی منزل میں رہنے سے اُوپر کی منزل کا رہنا نہایت مُفید ہے۔ اور اگر چاروں طرف سے ہوا کی آمد و رفت ہو تو نیچے کی منزل بھی ویسی ہی مُفید ہے۔ اگر گھر میں کوئی چیز

بہت ہی عفونت پھیلانے والی ہو اور اُس کی عفونت گھر میں سے نہ جاسکتی ہو تو اُس کو آگ میں پھونک دیں مکان کی زمین و دیواروں کو دو تین مہینہ بعد مٹّی سے لیپنا مکان کی صفائی کا نہایت عمدہ ذریعہ ہے۔ اور ہوا بھی صاف رہتی ہے غرضیکہ انسان کو مناسب ہے کہ اگر وہ آپ اور اپنی قبیلداری کو ہمیشہ کے لیئے خوش و خرّم رکھنا چاہے تو ہر ایک امور میں بتوجہ تمام صفائی کا خیال رکھے

فصل پنجم

اکل و شُرب

مُراد روزمرّہ کی معمولی غذا کھانے پینے سے ہے۔ اوّل تو علم طب کا اصُول یہ ہے کہ جس وقت کھانے یا پینے کی نہایت خواہش ہو اُس وقت اِس خواہش کو طبیعت کے مُوافق پورا کرے۔ لیکن ایسا کرنے سے قبیلداروں کے مکمّل اِنتظام میں فرق آتا ہے تاہم اصُول مذکورہ بالا کو مدِنظر رکھتا ہُوا کھانے پینے کا وقت مقرّر کرلینا چاہیئے۔ صُبح کے وقت کا کھانا دس اور بارہ بجے کے درمیان اچھا وقت ہے اور اس کے بعد شام کو چھ اور ۸ بجے کے درمیان کھانا کھانا چاہیئے۔ جیسے کہ ہمارے ہندوستان میں عُموماً طور پر رواج ہے۔ انگریز لوگ بیشک کئی وقت کھاتے ہیں۔ لیکن بڑا کھانا اُن کا بھی دو وقت ہے باقی اوقات میں چاء وغیرہ نوش کرتے ہیں۔ کھانا خواہ امیری ہو خواہ غریبی علم طبابت کا اصُول یہ ہے کہ بھوک رکھکر کھایا جاوے بیشک بوقت بھوک کھانا کھاتے ہوئے بھوک باقی رکھ کر کھانا کھانے سے ہاتھ اُٹھانا مُشکل ہُوا کرتا ہے۔ اور خصوصاً جبکہ کئی لذیذ کھانے سامنے ہوں لیکن

گذشتہ صفحات میں اِس کا ذکر ہو چکا ہے۔ کہ یہ فعل اُس سے ہو سکتا ہے کہ جس کی طبیعت اپنے اختیار میں ہو۔ وہ شخص ایسے افعال کو پورا کر سکتا ہے۔ ورنہ طبیعت کی بے اختیاری میں تو انسان سینکڑوں تکالیف خود بخود حاصل کر ہی لیتا ہے۔ اَناج۔ سبزی مٹھائی۔ میوہ جات۔ نمک مصالح وغیرہ انسانی خوراک ہیں۔ جیسا میسّر آوے نہایت صفائی اور ترکیب اور اعتدال کے ساتھ تیار کر کے کھاوے۔ گھی اور دودھ اگرچہ انسانی خوراک نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں انسان جبراً حیوانات سے حاصل کرتا ہے۔ لیکن چونکہ تمام املاک میں گھی اور دودھ استعمال کیا جاتا ہے اور انسانی جسم کے مفید پڑتا ہے۔ اِس لئے اِن دونوں کو بھی اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا چاہیئے از حد گھی اور دودھ کے استعمال کرنے سے بھی کئی قسم کی بدہضمی کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جسم میں چربی بڑھ جاتی ہے۔ نہ ملنے کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ لیکن جن کو دودھ اور گھی میسّر آتا ہے تو ایک جوان آدمی کے لئے کم از کم دو تولہ گھی اور آدھ سیر گائے یا بھینس یا بکری وغیرہ کا دودھ اور زیادہ سے زیادہ ایک چھٹانک یعنے پانچ تولہ گھی اور ایک سیر دودھ کافی ہے۔ اِس سے زیادہ استعمال کرنا نقصان دیتا ہے۔ کیونکہ معدہ کی دیواروں میں ازلاق یعنی پھسلن پیدا ہو جاتی ہے۔ پچھلے قصہ کہانیٔں کہ فلاں آدمی اِس قدر گھی دودھ مٹھائی وغیرہ کھا جایا کرتے تھے اِس پر کوئی عمل نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اوّل تو بعض آدمیوں کے جسم ایسے گرانڈیل ہوتے ہیں کہ اُن کے جسم میں زیادہ مقدار میں غذا سما سکتی ہے۔ اور بعض بہت پستہ قد اور دُبلے پتلے آدمی ہوتے ہیں۔ اور زیادہ کھانا کھانا کوئی فن یا تعریف نہیں ہے۔ بلکہ ایک قسم کا بھدا پن اور بیوقوفی ہے۔ بعض متبرک مقامات پر بعض لوگ بھنگ پیکر لڈو وغیرہ بہت کھاتے ہیں۔ بلکہ یاتری لوگ اُن کو روپیہ پیسے دیکر اور زیادہ کھلاتے ہیں۔ میرے خیال

میں زیادہ کھانے والا اور زیادہ کھلانے والا دونوں بیوقوف ہیں۔ یہ تحقیق شدہ امر ہے کہ ایک کھانا کھانے سے دوسرے کھانے میں چھ گھنٹہ کا وقفہ ہونا چاہیئے۔ کھانے کے بعد پانی بہت کم مقدار میں استعمال کرنا چاہیئے۔ جب پیاس لگے پانی کنوئیں کا پیویں۔ ورنہ دریا اور جھیل کا صاف اور شیریں پانی بھی بہت خراب نہیں ہے۔ باوڑی کا پانی بھی عمدہ ہے۔ بارش کا پانی نہایت عمدہ ہے۔ لیکن اِس کا انتظام ہونا مشکل ہے۔ اور جس جگہ بارش کے پانی کو لوگ گڈھوں میں جمع کرکے پیتے ہیں وہ پانی نہایت خراب ہے۔ زیادہ برف اور سوڈے کا استعمال ایک تو تکلّف بڑھاتا ہے اور اخلاق پر بھی اچھّا اثر نہیں ڈالتا۔ اخراجات کو بڑھاتا ہے اور بہت زیادہ مفید نہیں پڑتا بلکہ ایک عادت پڑجاتی ہے۔ اور روپیہ پیسے کا نقصان بہت کرتی ہے دو متضاد کھانے بدن میں زہر پیدا کردیتے ہیں۔ مثلاً سِرکہ اور دودھ۔ کانجی اور دودھ۔ دہی اور مولی۔ خربوزہ اور پانی وغیرہ ایسی ہر دو چیزیں اگر ایک ساتھ ملاکر کھائی جاویں، تو معدہ میں ایک قسم کا زہر پیدا کردیتی ہیں۔ یہ سوال کہ اِن کے میلان سے زہر کیوں پیدا ہو جاتا ہے بہت مشرح ہے۔ اور ایک ایک کے بیان پر ایک ایک نئی کتاب پیدا ہوسکتی ہے۔ اِس لئے درج نہیں کیا گیا۔ اور چونکہ یہ بیان بھی اکل و شرب کا ہے اِس بیان میں اُن چیزوں کی تاثیرات کا درج کیا جانا ضروری نہیں ہے۔ چاء اور کافی کا زیادہ اِستعمال معدہ کو نہایت خراب کردیتا ہے۔ گوشت۔ انڈا۔ مرغی یا دیگر جاندار نہ تو انسانی خوراک ہے اور نہ قدرتی غذا ہے۔ البتہ بہ لحاظ علم طب گوشت گھی اور دودھ کی لائین میں ہے۔ اور اِس لئے غذا میں شامل کیا ہوا ہے۔ پس زیادہ گوشت خواری سے معدہ اور امعا کا فعل بہت کمزور ہوجاتا ہے۔ اگر شدید ضرورت ہوتو

گوشت کو نہایت اچھّی طرح پکاکر اور گلا کر پھر گھی اور گرم مصالح میں بھون کر کھانا چاہیئے۔

بچّوں کو بار بار اور پے در پے کھانا نہ دینا چاہیئے۔ البتّہ دو دو تین تین گھنٹہ بعد دُودھ یا ہلکی غذا مثلاً کھچڑی ڈبل روٹی مونگ کی دال چاول کھیر وغیرہ کھلایا کریں۔ اور جب بچّہ کھانے سے مُنہ ہٹانے لگ جاوے تو سمجھ لیویں کہ اس کا پیٹ بھر گیا ہے۔ غرضیکہ زندگی کے دارومدار کا بہت بڑا حصّہ کھانے پینے پر ہے۔ اس کا نہایت دُور اندیشی کے ساتھ عمل میں لانا ضروری ہے ؁

فصل ششم

نشہ بازی

اِس میں کچھ شک نہیں کہ تمام نشیلی اشیاء بوقت ضرورت استعمال کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن یہ معاملہ زیر بحث ہے کہ کس چیز کی ضرورت کا موقع اور محل کونسا ہے اشیاءِ منشّی میں سب سے بڑا نشہ شراب ہے۔ یہ سب مُلکوں میں عموماً طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اور بیشک بڑے بڑے عاقل۔ ذکی اور فہمیدہ لوگ اس کا استعمال کرتے رہے ہیں۔ اور بعض مذہبی ریفارمروں نے اِس کے چھونے تک کو حرام ٹھیرایا ہے بعض نے اسکی ممنوعات پر کچھ توجہ نہیں کی۔ کیونکہ اِس کے جائز یا ناجائز کی نسبت کچھ تحریر نہیں کیا ہے۔ علم طب جس کا اِس چیز کے بیان سے زیادہ تعلّق ہے۔ انسان کے لئے اِس کا استعمال ضروری نہیں سمجھتی ہے۔ بلکہ غیر ضروری اور نقصان دہ ثابت کرتی ہے بیشک علم طب کا کام ہر ایک چیز کی تاثیر افعال و خواص بیان کرنے کا ہے لیکن ماہران علم طب نے مئے نوشی کا نتیجہ بہت بُرا بتلایا ہے۔ شراب جس وقت معدہ میں داخل

ہوتی ہے اُس کی غذا کچھ نہیں بنتی۔ تبخارات تو دماغ میں چڑھ کر دماغ میں غیر معمولی
انتشار پیدا کر دیتے ہیں۔ اور بقایا حصّہ معدہ کو اور پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتے ہوئے
جگر میں آ جاتے ہیں۔ اور جگر کا کباب بنا کر اُس کی مائیت گُردوں کے راستہ خارج
ہوتی ہے۔ اور خارج ہوتے ہوئے گُردہ کی چربی کا بہت بڑا حصّہ گَل کر پیشاب کے
راستہ خارج ہو جاتا ہے۔ اور مثانہ کی دیواروں کے البومن کا حصّہ بھی پگل جاتا ہے۔
اِس سے مثانہ کمزور ہو جاتا ہے۔ شرابی کو جو بھوک لگتی ہے وہ اشتہا کاذب کہلاتی ہے۔
حالتِ نشہ میں پہلے تو خوب ٹھونس ٹھانس کر معدہ بھر لیا جاتا ہے جس میں سینکڑوں
کو تو قَے ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ اِس کو طاقتور چیز سمجھ کر طاقت حاصل ہونے کے لئے
استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ایام صحت میں اِس کا تھوڑا ہی عرصہ استعمال
کرنے سے تمام بدن کے اعضائے رئیسہ میں کمال کمزوری ہو جاتی ہے۔ شرابی کو نصیحت
تلوار سے بھی زیادہ بُری معلوم دیتی ہے۔ اور ترک شراب کی بات کہنے والے کو
اپنا جانی دشمن خیال کرتا ہے۔ بلکہ اُس کو بیوقوف اور بے تمیز سمجھتا ہے۔ لیکن جب
کئی تکالیف اُس کے بدن میں گھر کر جاتی ہیں تب یاد کرتا ہے اور پچھتاتا ہے۔ بھوک بند
ہو جاتی ہے۔ معدہ بھاڑے کا ٹٹو ہو جاتا ہے۔ خون کے اجزا خراب ہو جاتے ہیں۔
دماغ کے پُرزے کمزور ہو جاتے ہیں۔ ریح پٹھوں میں بھر جاتی ہے۔ بعض دفعہ اِس کا
اثر شرائین پر سدّہ پڑتا ہے۔ اِس لئے مائیت رُک کر استسقا ہو جاتا ہے۔ اور گُردہ
خراب ہو کر پیشاب کے متعلق کئی قسم کی تکالیف ہو جاتی ہیں۔ ایام شباب میں کچھ تکلیف
نہیں سمجھتا ہے۔ لیکن جس وقت طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہو کر اور شراب کا نام لیکر ہائے
ہائے کرتا ہے تب ایسی حالت ہوتی ہے کہ خدا کسی دشمن کو بھی نہ دکھلاوے ایسے ہی

افیون مدک تاڑی۔ بھنگ۔ چانڈو۔ سُلفہ وغیرہ کا حال ہے۔ گویا جِسم کا ستّیاناس کرنے کے لئے ایک دوسرے پر فوقیت رکھتا ہے۔ اکثر یہ عادت نشہ بازوں اور عیّاشوں کی صحبت سے پڑ جاتی ہے اور اکثر عوام لوگ ایّام جوانی میں اشیاءِ منشّی کو سُرور پیدا کرنے کے لئے اور اِمساک کیلئے اِستعمال کرتے ہیں۔ لیکن دو چار مرتبہ بعد قوّت باہ سے ہاتھ دھو کر ایک قِسم کے نامرد ہو جاتے ہیں اگر کچھ قوّت باقی بھی رہے تو ویرج خراب ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ بڑے زور سے یہ اظہار صفائی پیش کرتے ہیں کہ اگر یہ بالکل نکمّی چیز ہے تو انگریز اِسکو کیوں اِستعمال کرتے ہیں۔ لیکن اُن کو معلوم نہیں کہ شراب نوشی سے انگریزوں نے کیا کیا نقصان اُٹھائے ہیں۔ اور ولایت میں سوسائیٹیاں کر کے اب شراب کے بالکل ترک کر دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اور شراب نوشی میں مدہوش ہو کر ڈیوٹی پر جانے کی سخت ممانعت ہے۔ اِس وجہ سے کہ شراب عقل کے چراغ کو گُل کر دیتی ہے۔ رہی اِس کی تاثیر کا طاقتور لکھنا یہ تو علِم طب کے ماہر کا کام ہے کہ وہ ہر ایک چیز کے افعال و خواص و تاثیر سے آگاہ کرے۔ اِس سلسلہ میں سُم الفار یعنے سنکھیّا بھی ایک قِسم کی طاقتور چیز ہے لیکن اُس کے معنے یہ تو نہیں کہ تندرست آدمی سنکھیّا کھالیوے یا سنکھیّا کھانے لگ جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض انسان کسی علم میں بغیر کامل تعلیم حاصل کئے صرف کسی کتاب کا مطالعہ کرنے سے مختلف قِسم کی اشیاء کی تاثیرات دیکھکر اور اُسپر عمل کر کے نہایت نقصان اُٹھاتے ہیں۔ افسوس اُن کے اندر یہ سوال نہیں پیدا ہوتا کہ اگر اشیاءِ منشّی انسان کے اِستعمال کے لئے مُفید ہوتیں تو مذہبی رِیفارمر پیغمبر رِشی مہرشی جن کو خدا کا اوتار اور خدا کا خصوصیّت کے ساتھ بھیجا ہُوا خیال کیا جاتا ہے اِسکے پینے کی اِس قدر ممانعت نہ کرتے کہ جنھوں نے نشہ بازی کو حرام لکھا ہے۔ تو کیا عوام کی رائے میں وہ شراب نوشی کی خاصیت سے آگاہ نہ تھے۔ اِسلئے خاص ہدایت ہے کہ خواہ انسان کتنا ہی دولتمند، عقلمند، صاحب رُتبہ، حاکم، محکوم ہو لیکن ہرگز ہرگز کسی نشیلی

چیز کو استعمال کرنے کا نام نہ لے۔ ورنہ ایسا سخت نقصان واقع ہوگا کہ جس کا انسداد قطعی کسی کے اختیار میں نہ رہیگا اور سوائے تکلیف پانے اور افسوس کرنے کے اور کچھ نہ بن سکیگا +

فصل ہفتم

اِستفراغ

جانداروں کی صحت کیلئے اِستفراغ قدرتی قاعدہ ہے۔ آلات تناسل۔ ناک۔ کان۔ آنکھ پیشاب گاہ۔ مسامات۔ پاخانہ گاہ وغیرہ یہ سب راستہ استفراغ کے ہیں۔ اور قدرتی قاعدہ کے مطابق اِن سب راستوں سے اِستفراغ ہوتا رہتا ہے۔ اِن کے لئے زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے جس وقت جس راستہ کے ذریعہ سے میل خارج ہونی ہوتی ہے اِنسان کو خود بخود تقاضا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی راستہ میل خارج کرنے سے بند ہو جاوے تو وہاں پر بالضرور کوئی بیماری ہوگی اور ضروری یہ ہے کہ جس وقت جس راستہ سے جس میل کے خارج کرنے کا قدرتی طور پر تقاضا ہو اُسکو اُسیوقت خارج کرنا چاہیئے۔ جوکہ قدرتی بات ہے۔ ورنہ بعض بعض آدمی دستاور اور ملین چیزیں کھا کھا کر یا امساک کی ادویات کھا کھا کر اپنی حالت کو بگاڑ لیتے ہیں اور استفراغ تو معمولی ہیں لیکن حالت جماع میں اخراج منی ایک خاص استفراغ ہے۔ جس وقت اِنسان کو اِس استفراغ کی خبر ہو جاتی ہے۔ افسوس وہ نہیں جانتا کہ یہ اِستفراغ کس امر کو پورا کرنے کیلئے ہے۔ چونکہ بوقت اخراج منی اِنسان کو لطف حاصل ہوتا ہے۔ اِسلئے وہ ناجائز طریق پر بذریعہ ہاتھ یا لڑکوں سے یا حیوانوں سے وغیرہ جس قسم کے سامان اُسکو ملتے ہیں اُن ذرائع سے برائے حصول لطف اپنی منی کو ضائع کرتا ہے وہ کیا جانتا ہے کہ چند روز میں میرے تمام اعضا سوکھے پودے کی مانند خشک ہو جاوینگے۔ اُس کو کیا معلوم ہے کہ بصارت

یعنے آنکھوں کی نظر کچھ تو بوجہ کمی غذا مقوی ویسے ہی نہیں رہی ہے کہ جیسی چاہیئے تھی۔ اور کچھ دن بدن اخراج منی سے اندھا ہونے والا ہو رہا ہوں۔ اسکو کیا معلوم ہے کہ میرا دل اور دماغ اور جگر دراصل کمزور ہے یا کہ دراصل اسکی کیا حالت ہے۔ وہ اس امر سے قطعی آگاہ نہیں کہ میرا حوصلہ میرا حافظہ کیوں نہیں ہے اور ہر وقت میری طبیعت کسلمند اور متفکر کیوں رہتی ہے۔ وہ اس امر سے قطعی آگاہ نہیں ہے کہ میں اپنی نسل اپنے ہاتھ سے کھو رہا ہوں۔ اسکو اس آنیوالی آفت کی کیا معلوم ہے کہ جب میری بیوی میرے گھر آویگی اور میری قبیلداری میں عجیب فتور مچیگا تو مجھ کو کیا تشویش پیدا ہوگی۔ اور جب ڈاکٹروں اور حکیموں کے دروازوں سے ناکام رہوں گا تو طبیعت خودکشی پر آمادہ ہوگی۔ اس کو ابتک کچھ معلوم نہیں کہ میری ٹانگیں میرے بازو، میرا معدہ کیسا ناقابل ہو گیا ہے۔ نہیں اس کو ان میں سے کسی بات کی معلوم نہیں ہے۔ ہائے افسوس وہ کسی امر کو نہیں جانتا۔ صرف یہ جانتا ہے

(کہ میں اب تو اس کام کو کر لوں لیکن پھر نہ کروں گا)

لیکن اے بھائی بدکردار کے ترک کرنے کا یہ قاعدہ نہیں ہے۔ بلکہ بدکردار کو اس سے اور تقویت ہوتی ہے۔ کیونکہ جس شخص کی کانشنس عادت کے مطیع ہوتی ہے وہ شخص ہرگز بدکردار کو ترک نہیں کر سکتا۔ البتہ جس شخص کا فعل کانشنس کے مطیع ہوتا ہے وہ شخص ہر ایک قسم کی بدعادت اور ہر ایک افعال ناجائز جن کو وہ اپنے ارادہ سے کرنا چاہتا ہے ان سب پر فتح حاصل کر سکتا ہے۔

ہم افسوس کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ہم کسی طریقہ سے اس کو بدعات سے نہیں روک سکتے۔ بیشک خوش قسمتی سے اگر اس کی نگاہ اپنے نقصان پر ڈالکر عبرت نہ پکڑیگی تو ہم پیشنگوئی کرتے ہیں کہ بالضرور اس کے اوپر ایک سخت آفت آنے والی ہے۔

بعض انسان اپنی یا کسی غیر کی عورت سے دن یا رات میں دو دو تین تین مرتبہ کم از کم روزمرہ ایک دفعہ شوقیہ طور پر جماع کرتے ہیں۔ یہ تو بیشک ٹھیک ہے کہ ان کا دیرج باقاعدہ خارج ہوتا ہے۔ لیکن زیادتی اخراج منی سے جسم کے اندر نقصان اس قدر ہوتا ہے کہ جس قدر مذکورہ بالا طریق سے اخراج کرنے پر ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ان کی نسل قطع نہیں ہوتی لیکن اولاد جو پیدا ہوتی ہے وہ بالکل کمزور ہوتی ہے۔ سابقہ محققین علم طب و علم حکمت نے اُس جماع میں کہ جس کے ساتھ انزال ہو ایک سال کا وقفہ قرار دیا ہے اور وہ بھی صرف اولاد پیدا کرنے کیلئے۔ بعض نے چھ ماہ کا بعض نے ایک ماہ کا اور ڈاکٹر ہارڈن صاحب جرمنی (جو کہ دنیا میں علم حکمت کا ایک عالم گذرا ہے) نے زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ بعد جماع کرنا قرار دیا ہے اور میری بھی رائے ہے کہ چونکہ منی کا قوام ۹۶ گھنٹہ دن اور رات میں پختہ ہوتا ہے۔ اسلئے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آٹھ روز بعد ایک دفعہ جماع کرے۔ اگر اس سے زیادہ اس طرف طبیعت کا رجحان ہو تو نہایت ضبط کرے۔ نیک آدمیوں کی صحبت سے اور عبادت کی مشق سے یہ باتیں واجب طور پر رہ جاتی ہیں۔ عیاشوں اور بدمعاشوں کی صحبت ان کے بھڑکانے کیلئے آگ کا کام دیتی ہے۔ عبادت خواہ کسی طریقہ سے ہو خواہ اپنے مذہب کے قواعد سے یا اپنی زبان میں ہو اس مضر خیال کی بیخکنی کرنے میں نہایت مفید ہے۔ بعض آدمی اس استفراغ میں ادویات امساک و مغلظ منی کھاتے ہیں لیکن اُن کو واضح ہو دوائی صرف بیماری کی تخفیف کیلئے ہے۔ اس لئے ایسی ادویات کھانے سے بجائے فائدہ کے کئی قسم کی کمزوری اور نقصان پیدا ہوتا ہے۔ بعض آدمی یہ سوال کرتے ہیں کہ جبکہ ہماری شادی نہیں ہوئی ہے۔ گویا اُن کے گھر میں بیوی نہیں ہے تو ہم کو جماع کرنے کے بارہ میں کیا تجویز کرنی چاہیئے اول تو یہ سوال علم طب سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔ سوم اس کی تجویز کرنا گویا عدم اسباب کی

کی تجویز یہی تجویز ہے کہ اُس کو جس طریقہ سے مُناسب سمجھا جاوے مُہیّا کیا جاوے۔ اگر تمام تجاویز کرنے سے مُہیّا نہ ہو تو اِس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

بعض آدمی ناک کان وغیرہ کو اکثر دفعہ کُریدتے رہتے ہیں پس ایسا کرنے سے کئی قسم کے نُقصانات واقع ہوتے ہیں۔ بعض آدمی پاخانہ و پیشاب کی جگہ جاکر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں۔ اِس لئے اُن کے گُردہ و مثانہ اور امعا کمزور ہو کر سینکڑوں قسم کی پاخانہ و پیشاب کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں پس مُناسب ہے کہ بوقت حاجت اِستفراغ ضُروریات کے مُطابق خارج کیا جاوے ورنہ اِستفراغ میں اپنی کسی واہیات عادت سے تفریط اور افراط کرنا نہایت باعثِ نقصان ہے۔

فصل ہشتم

رِیاضت

جیسے کہ ہنسنا بولنا کھانا پینا وغیرہ قدرتی افعال ہیں ایسے ہی رِیاضت بھی ایک قدرتی فِعل ہے۔ اور جیسے کہ اور افعال کی تفریط اور افراط نقصان کرتی ہے اِسی طرح اِسکا بھی حال ہے۔ جو لوگ حد سے زِیادہ محنت کرتے ہیں اُن کے جسم کے پُرزے جلدی تھک کر بیکار ہو جاتے ہیں۔ جو کم کرتے ہیں اُن کے بدن پھول جاتے ہیں یہانتک کہ چلنا پھرنا مُشکل ہو جاتا ہے تمام جسم میں چربی زیادہ ہو جاتی ہے۔ گلینڈ پھول جاتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہی بیماروں کی طرح سونا سُوجھتا ہے۔ اور نیچر کے خِلاف دِن میں بھی خوب خرّاٹے لیکر سوتے ہیں۔ گویا اِن کے لِئے خُداوند کریم نے دِن بھی سونے کے لِئے بنایا ہے۔ جہاں چار قدم چلے اور اِن کا سانس اُکھڑا دوڑنا تو موت ہے۔ چونکہ یہ لوگ نکمّے زیادہ ہوتے ہیں اِس وجہ سے

کاہل مزاج اور سُست اعلےٰ درجہ کے ہوتے ہیں۔ چرب زبانی تو بہت کئے جاویں لیکن حوصلہ

بہت کم ہوتا ہے۔ طرح طرح سے کثرت کرنا یا کسی مُقررہ وقت پر پیدل چلنا نہایت

مُفید ہے۔ اِس لِئے مذہبی رِیفارمروں نے ہر ایک مذہبی اُصول یا فرُوعات کو پُورا کرتے

ہوئے رِیاضت کا لحاظ رکھ کر دم روکنا پرانایام۔ نماز ادا کرنا۔ شہر سے ایک آدھ میل باہر

مندر یا مسجد میں جانا وغیرہ یہ ایسے افعال ہیں کہ جن میں عبادت کرتے ہوئے رِیاضت

بھی ہو جاتی ہے۔ پس عورت مرد امیر غریب سب کے لِئے حتےٰ المقدُور رِیاضت کرنا ضروری

ہے۔ ہمارے مُلک میں بوجہ رسم پردگی مستُورات سیر نہیں سکتیں۔ لیکن گھر میں پیسنا۔ کوٹنا۔

چرخہ کاتنا۔ کھانا پکانا۔ برتن دُھونا یہ سب رِیاضت ہے +

فصل نہم

صِحّت

اگرچہ صِحّت تندرُستی کو کہتے ہیں۔ لیکن تندرُستی کی تعریف یہ ہے کہ جو قدرتی طور پر اپنے

افعال وخواص کو لِئے ہوئے اپنی حالت میں ٹھیک طور پر ہو۔ بعض وقت ایسا ہوتا

ہے کہ اِنسان اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہے لیکن وہ تندرست نہیں ہوتا مثلاً خواب

کی بعض بات ایسی ہوتی ہے کہ دراصل وہ حالت پیش نہیں ہوتی کہ جو حالت اِنسان معلُوم

کرتا ہے۔ مثلاً خفقانی بیمار وغیرہ۔ جیسے کہ اِنسان کے اندر ہر وقت اپنے تندرست رہنے

کا خیال رہتا ہے ایسے ہی اُس کو مناسب ہے کہ وہ قدرتی قواعد کی تردید کر کے کوئی مزید

تکلّف پیدا نہ کرے بلکہ کسی عالِم سے دریافت کر کے قدرتی قواعد کی مکمّل طور پر پیروی کرے

زیادتی استعمال پان۔ چاء۔ حقّہ۔ زیادہ بھوکا رہنا۔ جاگنا۔ اپنے جسم کو کسی مذہبی فروعات

پورا کرنے کے لئے غیر ضروری طرح طرح کی تکالیف دے کر اپنے جسم کو بیمار بنانا سب

نشان جہالت ہے۔ کیونکہ صحت اُسی حالت کا نام ہے کہ جس میں ہر ایک جزو ئے

جسم قدرتی طور پر پرورش قدرتی طور پر موجود رہ کر قدرتی لازمی افعال کو پورا کر رہا ہو +

فصل دہم

بیماری

بعض انسان تو مجبوراً اتفاقیہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ بعض دانستہ بیمار ہوتے ہیں۔ مثلاً غریب آدمی کو پیٹ کے بھرنے کو روٹی اور جسم ڈھکنے کو کپڑہ نہ ملنے سے۔ اور قسم دوم نازک مزاج اور امیر آدمی اپنے آپ کو خود بیمار بنا لیتے ہیں جسم تندرست ہے لیکن حکیم و ڈاکٹروں کی صحبت و اُن کے بہکانے سے طاقت کی ادویات کھا رہے ہیں۔ کیسی ہی قیمتی دوائی کیوں نہ ہو حالت صحت میں اُس کا استعمال بالضرور مضر پڑے گا۔ اور دیگر تکلفات سے بھی انسان بیمار بن جاتا ہے۔ آج بیٹھے بٹھائے کوئی معمولی چیز کھائی۔ اُس نے ذرا قبض کیا حکیم جی پاس بیٹھے ہیں۔ اُن سے دستاور دوائی کھائی اور بدپرہیزی علیحدہ کی چلو بیمار ہو گئے۔ زیادہ مباشرت کا شوق چڑا یا امساک کی ادویات کھا کھا کر خراب ہوئے جو کچھ طاقت اعضائے رئیسہ میں تھی نکل گئی جس سے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ نزلہ کی بیماری پیدا ہو گئی۔ جو کہ سینکڑوں بیماریوں کی بنیاد ہے۔ اِس لئے چاہئے کہ حکیم اور ڈاکٹروں کی باتوں میں آکر اپنے آپ کو بیمار نہ سمجھے اور حتے المقدور دوائی بہت کم استعمال کرے۔ بلکہ قدرتی قوانین پر اپنے جسم کی حفاظت کرتا رہے۔ اور نہ ذرا ذرا سی تکلیف میں اپنے آپ کو بیمار نہ خیال کرے۔ کیونکہ اسی طرح بعض نواب زادوں نے اپنے آپ کو نہایت نازک اندام

سمجھ کر اور کام کاج سے علیحدہ ہو کر اور خواہ مخواہ طرح طرح کے روحانی و جسمانی امراض میں مبتلا ہو کر وہ تکالیف اُٹھاتی ہیں کہ بھلے چنگے آدمی بڑی بڑی مہلک بیماریوں کا شکار ہو گئے +

فصل اکاز دہم

موت

کال چکر دنیا میں ابتدا سے نہایت تیز کُلھاڑا چلا آتا ہے۔ کیا پھلدار کیا خار دار اس کے حساب میں سب برابر ہیں۔ یہ کُلھاڑا نہ تو پھول پھل اور سبز ٹہنے کو دیکھتا ہے نہ گہری بُنیادوں کو دیکھتا ہے۔ بلکہ سب کو بے دھڑک کاٹتا چلا جاتا ہے۔ کہاں ہے راجہ راون جو لنکا میں راج کرتا تھا اور اپنے برابر کسی کو نہ سمجھتا تھا۔ کہاں ہیں وہ کَورَوں اور پانڈوں کے دل کے دل جو کہ مہا بھارت میں شیروں کی طرح گرجتے پھرتے تھے۔ اور جو آگے آتا تھا دلتے چلے جاتے تھے۔ کہاں ہیں وہ یوسف پری رُو کہ جن کے آگے بہشت کی حُوروں کی تعریف میں مبالغہ سمجھا جاتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اُن کو سب کو گھروں میں سے نکالکر سیجوں پر سے اُٹھاکر تخت حکومت سے جُدا کر کے وہاں آ سُلاتا ہے کہ جہاں سے یا تو مٹی کے کیڑے جسم کو کھا کر مٹی میں ملا دیتے ہیں یا راکھ کا ڈھیر بن کر ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔ جہاں نہ تو کوئی ترک آتا رشتہ دار دوست آشنا جا کر خبر لیتا ہے۔ اور نہ کوئی کُنبے کا آدمی جا کر پاس پھٹکتا ہے اور نہ کوئی دشمن چور لیٹرا جا کر کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ خاک کی ڈھیر پر اکیلا سویا ہوا ہوتا ہے تمام سردی گرمی بارش دھوپ اوپر گذرتی ہیں۔ کیسا وقت ہے کہ جس وقت انسان کے دم نکلتے لگتے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر حکیم۔ دانا اُس کے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں بتلا سکتا۔ اُس کی عزیز بیوی اُس کے بچے اُس کا والد اور دیگر رشتہ دار اپنا سر پیٹ پیٹ کر ستیاناس کر دیتے ہیں

لیکن کیا مجال کہ ایک منٹ کا بھی تامل ہو سکے۔ اے موت اُس وقت تو اتنا بھی وقت نہیں دیتی کہ اپنے دِل کا ارادہ اپنے دِل کی بات کسی سے کہہ تو دے۔

اے موت

ایک اندھا اور ایک اندھی اور اُس کا ایک نوجوان لڑکا جو کہ خود مزدوری کر کے اپنا پیٹ بمشکل تمام بھر کر تھوڑے بہت کھانے کپڑے سے اپنے اندھے والدین کی حفاظت کیا کرتا تھا جن پر کہ اُن کی زندگی کا دارومدار تھا آج وہ لڑکا تیرا شکار ہو رہا ہے۔ وہ اندھا اور اندھی سر پیٹ رہے ہیں رو رہے ہیں سسک رہے ہیں لیکن تجھے رحم تو درکنار کچھ خیال تک بھی نہیں ہے کہ اُن کی کیا حالت ہوگی۔ ابھی ایک لڑکے اور ایک لڑکی کی شادی ہوئی ہے۔ دونوں طرف خوشیاں ہو رہی ہیں بڑی بڑی مرادیں پوری کرنے کی اُمیدیں کیجا رہی ہیں۔ لیکن اے موت تو نے جنگل کے شیر کی طرح اس طرح آدبوچا کہ ایک منٹ میں نوالہ کر گئی۔ بالکل خیال نہ کیا کہ لڑکی ناکردہ گناہ تمام عمر کے لئے بیوہ ہو جا کر طرح طرح کی مصیبتیں اُٹھا دیگی۔ ایک والدہ کے دو چھوٹے چھوٹے غریب معصوم بچے گود میں ہیں۔ بچاری پیسنا پیس کر اُن کی پرورش کر رہی ہے دیگر کوئی آدمی خبر گیراں نہیں ہے۔ اے موت جسوقت اُن تڑپتے ہوئے بچوں کو چھوڑ کر۔ تو اُن کی والدہ کو آناً فاناً میں ہڑپ کرتی ہے۔ تو اُسوقت تیرے دِل میں ذرا بھر بھی اُن معصوم بچوں کا خیال نہیں گذرتا ہے کہ بیرحم سے بیرحم بھی ایسے موقع پر درگذر کر دیتا ہے۔

دراصل موت کا خیال بھی اِنسان کو کئی گناہوں سے بچاتا ہے۔ بھلے آدمی ہر وقت اپنے دِل میں یہ خیال کرتے رہتے ہیں کہ آخر ہمکو مرنا ہے دُنیا چند روزہ ہے۔ اپنے جیتے جی ہم کیا کسی کو تکلیف دیں گے۔ دشمن تک سے بھی اِنتقام لینا پسند نہیں کرتے۔ ناجائز طریق پر روپیہ حاصل کرنا تو کیا سنے کوی کی ایک کوڑی کی بھی حق تلفی نہیں کرتے۔ کسی کو ایسا بدکلام نہیں

کہتے کہ جو اُس کو ناگوار معلوم ہو۔ کسی سے ایسا فعل نہیں کرتے کہ جو اُس کے اندر سے یہ آواز نکلے کہ تو نے میرا ناحق بُرا کیا۔ ایسے آدمی دُنیا میں نیک ہوتے ہیں اور بہت مدّت تک دُنیا کے لوگ اُن کو نیکنامی سے یاد کرتے۔ اُن کی زندگی کا مطالعہ کر کے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ دراصل نیک اور بد کی یہ بھی ایک صاف پہچان ہے کہ جس کو عام لوگ نیک یا بد کہتے ہوں۔ دوست اور دشمن تو انسان کو اچھا یا بُرا بتلایا ہی کرتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جن کو کہ اُس انسان سے دوستی یا دشمنی کا تعلّق نہ ہو کسی انسان کی نسبت اچھا یا بُرا ہونے کا فیصلہ دیں بالضرور حق پر ہوتے ہیں۔ پس انسان کو مناسب ہے کہ موت کا خیال رکھ کر۔ کسی کی حق تلفی۔ کسی پر ظلم کسی پر سختی۔ کسی کے ساتھ بُرائی۔ ہرگز ہرگز نہ کرے۔ خواہ وہ کتنا ہی دولت مند۔ عقل مند۔ شہزدہ عالم۔ فاضل۔ حاکم۔ صاحب رُتبہ کیوں نہو۔ کیونکہ نیکی کے درخت پر وہ پھل لگتے ہیں۔ کہ جسکو کھا کر ہمیشہ کے لئے انسان زندہ جاوید ہو جاتا ہے ؞

فصل دوازدہم

حیات مابعد الموت

ہر ایک مذہب کے انسان کا یہ خیال ہے کہ موت کے بعد بھی کوئی حالت ہے۔ اور تمام مختلف مذاہب کے ریفارمروں نے مختلف تشریحات کے ساتھ اس کی کیفیت بیان کی ہے جو کہ سب کی سب یکساں معنی رکھتی ہے۔ اور اگرچہ اُن تمام حالتوں کا یا اُن میں سے ایک کا ٹھیک اور باثبوت پتہ کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ صرف تحکمانہ طور پر تعلیم دی جاتی ہے۔ کہ یہ بات تم کو بہ قواعد مذہبی مجبوراً تسلیم کرنی پڑے گی۔ ہاں بیشک یہ قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ناجائز نقصان دہ افعال کے روکنے کے لئے نیکی کرنے والوں کے واسطے

گوشت کے بھنے بھنائے پہاڑ۔ پاک شراب کے ندی نالے۔ حوروں و غلمانوں کے ساتھ عیش و عشرت زود ہضم و لذیذ میوہ جات کے باغات۔ والیسرائیں و اندر لوک کے عیش طرب کے سامان وغیرہ اور طرف ثانی کے لئے دوزخ کی آگ۔ و بچھو سانپ۔ تپتے۔ وغیرہ کے غار جن میں کہ پاپی لوگ ڈالے جائیں گے اور انسانی جسم چھوڑنے کے بعد گدھے کتے بندر۔ ریچھ وغیرہ کے جسم اختیار کرنا اور طرح طرح کی تکالیف اُٹھا کر ان اجسام کو چھوڑنا وغیرہ وغیرہ قرار دئے ہیں۔ جن کا سوائے مذہبی کتابوں کی تحریرات کے اور کسی دیگر علم کی رو سے کوئی مدلّل ثبوت نہیں ہے۔ مذاہب کی طرف سے یہ سوال پیدا ہوتا کہ کیا بہشت و دوزخ وغیرہ کی نسبت تمام مذاہب نے ہی غلط بیانی تحریر کی ہے۔ خود ہر ایک مذہب ہی اس کو غلط ثابت کر رہا ہے۔ کیونکہ اگر واقعی ان مقامات اور ان حالتوں کی کوئی بنیا ہوتی تو سب کے سب قریب قریب یکساں فوٹو دکھلاتے۔ لیکن چونکہ اپنی رائے ظاہر کرتا ہوا ہر ایک مذہبی ریفارمر ایک دوسرے کے خیالات و قیاس کو ردّی ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے سمجھا گیا کہ در اصل ان مقامات کی اور ان حالتوں کے بیان کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اور نہ اس کو کوئی مذہبی ممبر تسلیم کریگا۔ کہ ہر ایک ملک کے ہر ایک مذہب کے انسانوں کے بہشت و دوزخ علیحدہ علیحدہ ہیں۔

در اصل اب تک یہ معاملہ زیر بحث ہے کہ موت کے بعد آیا کوئی حالت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو واقعی کیا حالت ہے۔ جن مذاہب کا یہ خیال ہے۔ کہ موت کے بعد متوفی انسان کی روح کو ہم کچھ ثواب۔ عذاب۔ کھانا۔ کپڑہ۔ دعا۔ بد دعا۔ آرام۔ تکلیف۔ خود یا کسی دیگر مذہبی لیڈر کے ذریعہ سے پہنچا سکتے ہیں۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ اور نہ کوئی علم مثلاً علم سائنس۔ علم منطق۔ فزیالوجی۔ وغیرہ اس کی شاہد ہیں۔ نہ کوئی متوفی کہیں پر بھوکا یا ننگا

بیٹھا ہوا کھانے اور کپڑہ کا پیں ماندگان سے انتظار کر رہا ہے۔ اور نہ کوئی پہنچا سکتا ہے وہ صرف دل بھلاؤ کی باتیں ہیں۔ علم مسمریزم کی کارروائی مثل ایک مداری کے ہے جس طرح مداری کے کھیل سمجھ میں نہیں آتے اسی طرح کسی اندھیر کوٹھڑی میں سے کسی آواز کا نکلنا سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کیا بھید ہے۔ اور اس کے بارہ میں جو کہ مذہبی تعلیم مثلاً جان نکلنے کے بعد اس راستہ کو جانا ہوگا۔ راستہ میں وہ وہ تکالیف آرام ہونگے آگے دھرمراج یا ملک الموت کا دربار ہوگا وہاں انسان کا اعمال نامہ پیش ہوگا۔ اس کے مطابق سزا یا جزا ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ ڈراؤنی اور عبرت انگیز کہانیاں اور لطیفے ہیں جو کہ ایک فائدہ کے جز کو مدنظر رکھکر بنائے گئے ہیں۔ دراصل موت کے بعد کی حالت کا واقعی پتہ کوئی نہیں لگ سکا ہے۔ بیشک قیاساً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اور چیزیں معمولی حالت سے خراب ہوکر بیکار ہوجاتی ہیں۔ اسیطرح انسانی جسم کا حال ہے۔ قانون قدرت کا اصول سب چیزوں کے لئے یکساں ہے۔ جس طرح اور چیزوں بنتی اور بگڑتی ہیں اسی طرح اس کا حال ہے۔ خدائی انتظام اسی طرح پر دکھلائی دیتا ہوا نظر آرہا ہے۔ کہ کل چیزیں اپنے تمام اجزا کو حاصل کرکے جو ان کے مرکبات کے امتزاج سے تاثیر پیدا ہوتی ہے وہی ان کا فعل ہے۔ اور جب اس امتزاج میں جس قدر فرق آجاتا ہے اپنے فعل سے علیحدہ ہوکر دوسری صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ جیسے کہ انسانی جسم مٹی میں دفنا کر چند روز بعد مٹی ہوجاتا ہے۔ نجات یا جو کچھ بھی اسی بہشت اور دوزخ کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ورنہ خدا کا وجود ایسا نہیں ہے کہ کوئی جز اس کے وجود سے علیحدہ ہوسکے یا اس میں شامل ہونے کی گنجائش ہو۔ ہر ایک چیز کی نجات ہر ایک چیز کی تاثیر اور فعل کے ساتھ ہے۔ پیدا ہونا اور فنا ہونا یہ خاص خاص امتزاج کی خاصیت ہے۔ چنے کا دانہ اُگ کر بڑھتا ہے پھلتا ہے اپنے پرورشی اجزا کو دنیا میں سے حاصل کرکے پھولتا

ہے۔ ہزارہا دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر ان سب کو بیکار ہونے کی صورت میں یا
باکار ہونے کی صورت میں پھونک دیا جاوے تو سب کی سب خاک ہو جاتی ہے۔ کوئی
گمان نہیں ہو سکتا کہ چنے کا دانہ جو کہ جل گیا ہے پھر جا کر ملک الموت کے آگے کھڑا ہو کر
حساب کرائیگا اور پھر کبھی مکی یا باجرہ یا گیہوں کے دانہ میں جنم لیگا۔ اسی طرح جانداروں کا
حال ہے۔ پس اس کی بابت کوئی مدلل ثبوت نہیں ہے کہ کسی چیز کے مرنے کے بعد اسکی کیا
حالت ہوتی ہے۔ اور جو حالت ہماری دید و دانست میں ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔ رہی یہ بات
کہ جو شخص بڑے زعم سے یہ بات کہتے ہیں کہ اس کی بابت دریافت کرنے کی اُنہی اولیا پیغمبروں
ریفارمروں رشیوں مہرشیوں کی طاقت تھی اس کی بابت جواب دے دیا گیا ہے
کہ اُن سب کی رائے میں بالکل اختلاف ہے۔ جو کہ اُن کی عدم واقفیت کا کافی
ثبوت ہے + فقط

ڈاکٹر راما نند صاحب لکچرار حفظ صحت پنجاب کے
چہرہ کی عکسی تصویر



جو شروع جنوری سنہ ۱۹۱۰ء میں اُتاری گئی

معيار الخيالات